بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القول السدید فی بیان معنی الشاهد و الشهید

مسئلہ حاضر و ناظر

قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ دین کی روشنی میں

——— تحریر ———

ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مقالہ مبارکہ ملک المدرسین، استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۹۱۶ء ______ وفات ۴/ذیقعدہ مطابق ۲۱/ فروری ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء) نے کئی سال قبل تحریر کیا تھا، اس کا عنوان ہے:

القول السدید فی بیان معنی الشاھد والشھید

اس میں انہوں نے قرآن وحدیث، لغت اور ائمہ مفسرین ومترجمین کے اقوال کی روشنی میں مسئلۂ حاضر وناظر بیان کیا ہے، اہل سنت وجماعت کے موقف کی وضاحت کے ساتھ مخالفین کے شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔

حضرت ملک المدرسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے اور اسی کو مختار قرار دیا ہے:

آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ وارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے ہے۔

حاضر ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے۔

راقم الحروف نے جو علمی اور عملی اعتبار سے کسی شمار میں نہیں اور حضرت ملک المدرسین کے ادنیٰ دریوزہ گروں میں سے ہے، اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا ہے "الحبیب فی رحاب الحبیب حاضر" اس کا ترجمہ "روح اعظم کی کائنات میں جلوہ گری" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں اس مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے کہ ایک شخص کا متعدد مقامات میں دیکھا جانا جائز ہی نہیں بلکہ بالفعل واقع ہے۔

اس کی چند صورتیں ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ حجابات اُٹھا دے اور ایک شخص کو کئی جگہوں پر دیکھا جائے، باوجودیکہ وہ ایک ہی جگہ موجود ہو۔

۲- ایک شخص ایک ہی جگہ موجود ہو، لیکن اس کی تصویریں کئی جگہ دیکھی جائیں، جیسے ٹیلیویژن میں ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ ایک شخص کے لیے متعدد مثالی اجسام تابع فرمان فرمادے اور ان میں ایک

ہی روح تصرف کرے، اس سے تجزی لازم نہیں آئے گا جو مناطقہ کے نزدیک محال ہے، کیونکہ وحدت اور تعدد کا مدار روح پر ہے اور وہ ایک ہے لہذا شخص بھی ایک ہوگا اگرچہ اجسام متعدد ہوں۔[1]

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا بیٹا فوت ہو گیا، نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا:

کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے؟ کہ تم جنت کے جس دروازے پر بھی جاؤ اسے انتظار کرتے ہوئے پاؤ۔

حضرت ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

اس میں اشارہ ہے کہ خلاف عادت متعدد مکتسب اجسام ہو سکتے ہیں، کیونکہ بیٹا جنت کے ہر دروازے میں موجود ہوگا۔[2]

امام علامہ سیوطی، علامہ علاء الدین قونوی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو دو یا اس سے زیادہ اجسام میں تصرف کی اجازت عطا فرما دے، اس قاعدے سے بہت سے مسائل کا استخراج کیا جا سکتا ہے اور بہت سے اشکالات حل ہو سکتے ہیں۔[3]

علامہ الوسی بغدادی مختلف جگہوں میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی روح اقدس آپ کے جسد اکرم کے ساتھ متعلق ہونے کے باوجود متشکل ہو کر سامنے آجاتی ہے اور اس کی زیارت ہوتی ہے، جیسے بعض علماء نے فرمایا کہ جبریل امین علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہی سے جدا نہیں ہوتے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک جسم مثالی سے متعلق ہو جاتی ہے، اور اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ان گنت مثالی اجسام ہوں اور ہر ایک جسم کے ساتھ آپ کی روح اقدس متعلق ہو، یہ تعلق ایسے

۱۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ: من عقائد اہل السنۃ ص ۳۴۵
۲۔ علی بن سلطان محمد قاری، علامہ: مرقاۃ المفاتیح (ملتان) ۱۰۹/۴
۳۔ عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاوی، ۲۱۹/۱

ہی ہوگا جیسے ایک روح کا تعلق ایک جسم کے اجزا سے ہوتا ہے (ملخصاً)[1]

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف "من عقائد اہل السنۃ" (ص ۳۴۵-۳۵۷)

اس گفتگو کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

قارئین کرام! ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی قدر تفصیلی حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب "نور نور چہرے" ملاحظہ فرمائیں۔ اس وقت راقم صرف! چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہے:

۱۔ راقم نے درس نظامی کا اتنا کثیر الفیض مدرس نہیں دیکھا، ساٹھ سال کے قریب آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور اس وقت آپ کے بیسیوں شاگرد پاکستان اور بیرونی ممالک میں علوم دینیہ کی خدمت یعنی تدریس اور تبلیغ میں مصروف ہیں، پاکستان کے اکثر مدارس آپ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کی بدولت آباد ہیں۔ آپ کے سلسلۂ تلامذہ کی چوتھی اور پانچویں کڑی بھی مصروف تدریس ہے۔

۲۔ آپ نے خالص مدرسانہ زندگی گزاری، یعنی نہ تو مسندِ مشیخت اور پیری سنبھالی اور نہ ہی خطابت کا میدان اپنایا، اس کے باوجود آپ کے شاگرد آپ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ محبوبیت کسی دوسرے مدرس میں دکھائی نہیں دیتی۔

۳۔ انہیں جہاں اپنے پیر طریقت آفتاب گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت خواجہ پیر سید غلام محی الدین گولڑوی (بابو جی) رحمہما اللہ تعالیٰ سے بے پناہ عقیدت تھی وہاں اپنے اساتذہ حضرت مولانا یار محمد بندیالوی اور حضرت مولانا مہر محمد اچھروی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی گہری عقیدت و محبت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک المدرسین کو فیض و برکت کا دریا اور شاگردوں کا محبوب ترین استاد بنا دیا۔

آج کے طلباء کے لیے ملک المدرسین کا پیغام یہ ہے کہ عقیدت و محبت کا مرکز صرف پیر و مرشد ہی نہیں بلکہ استاذ اور ولی نعمت بھی ہونا چاہیے، تب ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہِ عنایت انسان کو میسر ہوتی ہے۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ — **محمد عبدالحکیم شرف قادری**

۱۰ دسمبر ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لأهله والصلوٰة والسلام علىٰ أهلهما أمّا بعد !

بندہ فقیر پرتقصیر عطا محمد چشتی گولڑوی بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

اہل سنت و جماعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب لبیب، سرور دوعالم سرکار مدینہ ﷺ کو قرآن پاک میں "شھید" اور "شاھد" فرمایا ہے۔

آیات ملاحظہ ہوں :

۱- قولہٗ تعالیٰ ویکون الرسول علیکم شهیدا "(سورہ بقرہ ۱۴۳/۲)

اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

۲- وقوله تعالىٰ فكيف اذا جئنا من كل أُمّة بشهيد و جئنا بك علىٰ هٰؤلآء شهيدًا "(سورہ النسآء ۴۱/۴)

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

۳- وقولہٗ تعالیٰ یاأیها النّبی إنّا أرسلنك شاهدًا "(سورہ احزاب ۴۵/۳۳)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

بندہ اس مضمون میں یہ بیان کرے گا کہ شھید اور شاھد کا لغت میں کیا معنی ہے ؟ اور مستند مفسرین اور محدثین نے اس سے کیا مراد لیا ہے ؟ اور آنحضرت ﷺ کو شھید اور شاھد کس معنی میں فرمایا گیا ہے ؟۔

مفردات امام راغب میں ہے :

"الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة إمّا بالبصر أو بالبصيرة"

یعنی شھود اور شہادت میں شاھد اور شھید کا حاضر ہونا اور دیکھنا ضروری ہے خواہ آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے۔

یہ شہادت اور شھود کا اصلی معنی ہے، آگے چل کر اسی مفردات میں فرمایا :

"والشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرةٍ أو بصر"

یعنی شہادت اس قول کو کہا جاتا ہے کہ کہنے والے کو اس کا پورا علم ہو اور وہ علم نظرِ عقل یا آنکھ کی نظر سے حاصل ہو۔

ان عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ شاھد اور شھید کے لئے لغت کے لحاظ سے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور حاضر ہو) کے لئے ناظر ہونا ضروری ہے۔

بیضاوی شریف میں تحت قولہٖ تعالیٰ (وادعوا شهداء کم الآیۃ) مذکور ہے :

"الشهداء جمع شهيد بمعنى الحاضر أو القائم بالشهادة أو الناصر أو الامام وكأنّهٗ يحضر النوادى ويبرم بمحضرهٖ الامور إذ التركيب للحضور إما بالذات أو بالتصور ومنه قيل للمقتول فى سبيل الله شهيد لانه حضر ما كان يرجوه أو الملٰئكة حضروه"

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ شہداء شھید کی جمع ہے اور شھید کا اصلی اور لغوی معنی حاضر ہے اور جہاں بھی یہ ترکیب آئے گی، یعنی پہلے شین ہو اس کے بعد ھا ہو اور اس کے بعد دال ہو تو اس میں حضور والا معنی لازماً معتبر ہوگا۔

علامہ عبدالحکیم فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیضاوی کے حاشیہ میں اسکی چند مثالیں دی ہیں جن میں یہ مادہ پایا جاتا ہے۔

" كالشهادة مصدر شهد كعلم و كرم والشهود مصدر شهدهٗ كسمعهٗ شهودا حضرهٗ والمشاهدة بمعنى المعاينة للحضور "

یعنی ان تمام مثالوں میں حضور والا معنی ہے اور مشاہدۃ میں دیکھنا بھی ضروری ہے جیسے قائم بالشہادۃ جس سے مراد کسی واقعہ کا گواہ ہے اور ناصر جس سے مراد مددگار ہے اور امام جس سے مراد مسلمانوں کا خلیفہ ہے، علامہ بیضاوی نے ان پر بھی لفظ شھید کا اطلاق کیا ہے، حالانکہ بظاہر ان میں حضور والا معنی نہیں پایا جاتا اس لئے علامہ بیضاوی

نے مذکورہ بالا عبارت میں تصریح فرمادی کہ ان تینوں یعنی گواہ اور مددگار اور امام میں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ گواہ اور مددگار تو مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور امام کے روبرو اور اس کے حضور میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں-

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شاھد اور شہید کے لئے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور حاضر ہو) کا ناظر ہونا ضروری ہے-اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے اس کو بھی شہید کہتے ہیں، اس لئے علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ مقتول فی سبیل اللہ جس اجر اور ثواب کی امید رکھتا تھا اس اجر اور ثواب کو وہ حاضر ہو گیا یا فرشتے اس مقتول کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں-

اسی قسم کا مضمون مفردات امام راغب میں بھی ہے ملاحظہ ہو :-

" والشهيد هو المحتضر فتسميتهُ بذلك لحضور الملائكة اياه أولا نّهم يشهدون فى تلك الحالة ما أعد لهم من النعيم أولأنّهم تشهد أرواحهم عندالله "

یعنی مقتول فی سبیل اللہ کو جو شہید کہا جاتا ہے اس کی تین وجہیں ہیں وجہ اوّل فرشتے شہید کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اس صورت میں شہید بمعنی مشھود ہو گا-وجہ دوم اور سوم یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ اپنے ثواب اور اجر کو حاضر ہوتا ہے یا ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتی ہیں، ان دونوں وجہوں میں شہید بمعنی شاھد اور حاضر ہو گا-

مفردات امام راغب میں ہے :-

قولهُ تعالیٰ سائق و شهيد أى من شهد لهُ أوعليه - و كذا قولهُ تعالیٰ " فكيف إذا جئنا من كل امّة بشهيد وجئنا بك علىٰ هؤلاء شهيدا"

یعنی شہید اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے حق میں گواہی دے یا کسی دوسرے کے خلاف گواہی دے - اور آیت مذکورہ میں شہید سے یہی مراد ہے یعنی آنحضرت ﷺ مؤمنوں کے حق میں گواہی دیں گے اور کفار کے خلاف-

شاہد اور شہید کے متعلق ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو حاشیہ جامی میں ہے :

فاعلم أن الا شتقاق نزع لفظ من آخر بشروط أربعةٍ-

أحدها: أن يكون اللفظان متنا سبين معنى بأن يكونا مشتركين فى الدلا لة على أصل المعنى وبهٖ احترز عن الألفاظ المشاركة فى اللفظ كالذهب بمعنى ما يقابل الفضّة وذهب الذى ماض من الذهاب فلا يقال إن أحدهما مشتق من الآخر لعدم اشتراكهما فى الدلالة على المعنى الأصلي-

ثانيها: أن يكونامتناسبين تركيباً بأن يشتملا على الحروف الاصليّة وبهذا احترز عن الألفاظ المترادفة كالذئب والسرحان لفقدان التناسب فى التركيب-

ثالثها: أن يكونا متغايرين فى الصيغة وبه احترز عن مصدر أريد به المفعول كضَربِ الاميرأى مضرو به و مصدر مستعمل فى معناه الأصلى فلا يقال إن احدهما مشتق من الآخر لا تحاد الصيغة-

رابعها: أن يكون المشتق زائد ا على المشتق منه بشيءٍ من المعنىٰ واحترز به عن نحو شاهد و شهيد فان القيود المذكورة متحققة فيهما غير أن واحدًا منهما لا يدل على معنىً زائد لأن معنا هما واحد وهو الحاضر -

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ صرفیوں کی اصطلاح میں اشتقاق کا معنی یہ ہے کہ ایک لفظ کو دوسرے سے نکالنا اور جہاں اشتقاق ہو گا، وہاں ایک مشتق ہو گا اور دوسرا مشتق منہ، مشتق کو مشتق منہ سے نکالا جاتا ہے اور اس کی چار شرطیں ہیں، شرط اوّل دونوں لفظ معنی اصلی میں متناسب اور مشترک ہوں، اس شرط کے لحاظ سے لفظ ذَھَب (بمعنی سونا) لفظ ذَھَبَ سے مشتق نہیں ہے اگرچہ ذَھب کی شکل مصدر کی ہے اور ذَھَبَ فعل ماضی ہے، کیونکہ اصلی معنی میں ان کے درمیان اشتراک نہیں ہے، اس لئے کہ ذَھب کا معنی سونا ہے جو چاندی کے مقابل ہے اور ذَھَبَ فعل ماضی ہے اس کا معنی ہے چلا گیا اور یہ ذَھاب سے مشتق ہے-

شرط دوم یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے اصلی حروف متناسب ہوں اس

شرط کے لحاظ سے لفظ سرحان لفظ ذئب سے مشتق نہیں ہے اگرچہ لفظ ذئب کی شکل مصدر کی اور لفظ سرحان کی شکل صفت مشبہ کی ہے، اور ان دونوں کا معنی ایک ہے یعنی ذئب اور سرحان بھیڑیئے کو کہتے ہیں لیکن حروف اصلیہ میں کوئی مناسبت نہیں ہے- ذئب کے حروف اصلی ذال اور ہمزہ اور باء ہیں اور سرحان کے حروف اصلی سین اور راء اور حاء ہیں-

شرط سوم: مشتق اور مشتق منہ شکل اور ھیئت میں متغائر ہوں اس شرط کے لحاظ سے لفظ ضَربٌ بمعنی مضروب جیسا کہ ضَربُ الامیر میں ہے یعنی مضروب الامیر لفظ ضَربٌ بمعنی مصدر سے مشتق نہیں ہے، کیونکہ دونوں کی شکل اور ھیئت ایک ہے-

شرط چہارم: مشتق، مشتق منہ سے معنی کے لحاظ سے زائد ہو اس شرط کے لحاظ سے شاھد اور شھید میں اشتقاق نہیں ہے، اگرچہ پہلی تینوں شرطیں ان میں پائی گئی ہیں لیکن چوتھی شرط نہیں پائی گئی، کیونکہ دونوں کا معنی حاضر ہے اور کسی کا معنی دوسرے سے زائد نہیں ہے-

اس طویل اقتباس سے بندہ کی غرض صرف یہ ہے کہ شاھد اور شھید کے معنی میں باعتبار لغت کے حضور معتبر ہے-

اسی طرح ایک اور جگہ پر حاشیہ جامی میں ہے

(والشھود بمعنی الحضور) شھود کا معنی حاضر ہونا ہے

اس مختصر تحقیق کی روشنی میں اب یہ دیکھنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن پاک میں جو شاہد اور شہید فرمایا گیا ہے اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ تو محققین مترجمین نے یا تو یہاں حاضر ناظر کا معنی مراد لیا ہے یا قائم بالشھادۃ، یعنی گواہ مراد لیا ہے- حوالہ ملاحظہ ہو:

تفسیر عزیزی میں قولہ تعالیٰ (ویکون الرّسول علیکم شھیدا) کے ماتحت آیت کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے:

(یعنی وباشد رسول شما ﷺ بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین

بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک وبد شمارا و اخلاص ونفاق شمارا ولھذا شہادت او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل ست وآنچہ از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج واھل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس وصلہ ومہدی ومقتول دجال یا از معائب ومثالب حاضران وغائبان می فرماید اعتقاد برآن واجب است وازین است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنین میکند وفلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت توانند کرد)

خلاصہ فارسی عبارت کا یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا- اس ترجمہ پر کئی اشکال ہو سکتے تھے جن کا ازالہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل عبارت میں کر دیا ہے-

اشکال اول- گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقع پر حاضر ہو اور جس چیز کی گواہی دے رہا ہے اس کا تعلق اگر دیکھنے سے ہے تو اُس واقعہ کا دیکھنا بھی گواہ کے لئے ضروری ہے، تو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ دونوں چیزیں کیسے ثابت ہوئیں؟ تاکہ آپ گواہ بنیں، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے نور نبوت کے ذریعہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور عقائد پر مطلع ہیں اور ہر دین دار کے دینی درجہ کو بھی جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ میں ہے؟ مثال کے طور پر لاکھوں کروڑوں اولیاء کرام دنیا میں آئے ہیں اور قیامت تک آتے رہیں گے اور ہر ایک کی ہر دن سلوک میں ترقی ہوتی ہے، تو آنحضرت ﷺ ان تمام اولیاء کرام کی ہر ایک دن کی ترقی کو بھی نور نبوت سے پہچانتے ہیں، کیونکہ اگر ہر دن کی ترقی آپ کو معلوم نہ ہو تو ہر دیندار کا درجہ دین کس طرح معلوم ہوگا اور بعض اولیائے کرام کو سلوک کے راستے میں کسی وجہ سے حجاب اور پردہ آجاتا ہے اور ترقی رک جاتی ہے، آنحضرت ﷺ ہر ایک کے حجاب کو پہچانتے ہیں اور ہر دین دار کی حقیقت ایمانی کو بھی پہچانتے ہیں کہ اُس کا ایمان کس قسم کا ہے؟ نیز اعمال نیک وبد اور درجات ایمان اور اخلاص ونفاق کو بھی پہچانتے ہیں،

اشکال اوّل کا ازالہ اس طرح ہوا کہ آپ نور نبوت سے ان تمام اشیاء کو دیکھ رہے ہیں۔

اشکال دوم۔ یہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ ساری اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہو گی، اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب اشیاء پر اطلاع نور نبوت کے ذریعہ ہے

اشکال سوم۔ یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ اطلاع دائمی نہیں ہے، بلکہ گاہے گاہے ہوتی ہے تو اس کا ازالہ فرمایا کہ یہ اطلاع نور نبوت سے ہوتی ہے، چونکہ نور نبوت دائمی ہے کبھی آپ سے منفک نہیں ہو سکتا لھذا یہ اطلاع بھی دائمی ہے۔

اشکال چہارم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آیت شریفہ میں چونکہ (علیکم) کا لفظ ہے جس میں ضمیر خطاب ہے، تو شاید اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال پر تو مطلع ہیں، لیکن بعد والے لوگوں کے حالات مذکورہ بالا کی اطلاع نہیں ہے، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حاضران زمانہ مقدس اور غائبان زمانہ سب کے احوال نیک وبد پر مطلع ہیں۔

اشکال پنجم۔ چونکہ آیت مذکورہ بالا میں جس شہادت کا ذکر ہے وہ اخروی شہادت ہے تو شاید دنیا میں آپ کی شہادت مقبول نہیں ہے تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس شبھہ کا ازالہ کیا کہ دنیا وآخرت دونوں میں آپ کی شہادت مقبول ہے۔

اشکال ششم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال پر مطلع ہونا یہ آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے، جو دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں نہیں پایا جاتا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ ہر نبی اپنی امت والوں کے اعمال اور احوال پر مطلع ہوتا ہے۔

اشکال ہفتم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال، فرشتے آپکو بتلاتے ہونگے اور بغیر فرشتوں کے آپ کو احوال امت پر اطلاع نہیں ہوتی ہو گی۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازالہ فرمادیا کہ یہ اطلاع نور نبوت کے ذریعے سے ہے تو اگرچہ فرشتے بھی اعمال پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ سرور دو عالم ﷺ اس اطلاع کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ بغیر واسطہ فرشتوں کے نور نبوت سے بھی مطلع ہیں۔

یہاں ایک خاص نکتہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ایک جاننا ہوتا ہے جو کہ علم کا ترجمہ ہے اور ایک پہچاننا ہوتا ہے جو کہ معرفت کا ترجمہ ہے۔ تو اس عبارت میں قبلہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے (میشناسد) کا لفظ استعمال کیا ہے، نہ کہ میداند کا اور معرفت حواس کے ذریعہ ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ ساری اطلاع بذریعہ حواس ہے اور نور نبوت تمام حواس میں متجلی ہوتا ہے۔

اشکال ہشتم۔ یہ وھم ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ صرف امت کے احوال نیک وبد پر مطلع ہیں اور نیک وبد اعمال کرنے والوں کو نہیں پہچانتے مثال کے طور پر آپ یہ تو پہچانتے ہیں کہ آج فلاں فلاں اعمال نیک وبد ہوئے ہیں، لیکن یہ نہیں پہچانتے کہ یہ اعمال کس کس نے کئے ہیں؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کر دیا (کہ فلانے امروز چنین میکرد وفلانے چناں تا روز قیامت) یعنی ہر ایک نیک وبد اعمال کرنے والے کو بھی پہچانتے ہیں۔

اشکال نہم۔ یہ وھم ہو سکتا تھا کہ ہر نبی کی ذمہ داری اس وقت تک ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت میں ظاہری حیات کے ساتھ موجود ہو اور جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا قول بیان میں فرمایا ہے " **وکنت شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم** " یعنی میری ذمہ داری اس وقت تک تھی جب تک میں ان میں موجود تھا۔ لھذا انصاریٰ نے مجھے اور میری والدہ کو الٰہ مان لیا ہے یہ میرے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد ہے، لہذا اس امر کی مجھ سے پرسش سمجھ میں نہیں آتی، اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے لئے امت کے احوال پر اطلاع کیوں ضروری ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر نبی کی شہادت دو قسم کی ہے دنیاوی اور اُخروی۔

دنیاوی شہادت کے لئے ضروری ہے کہ جب تک نبی اپنی امت میں ہے تو اس کے تمام احوال پر مطلع ہو۔ اور اُخروی شہادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ نبی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی امت کے احوال پر اپنے نور نبوت کے ساتھ مطلع رہے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا ازالہ ان الفاظ سے کیا ہے۔

(لھذا شہادۃ او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول وواجب العمل است تا

روز قیامت ادائے شہادت توانند کرد)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ فرمایا اور اس کی تشریح کی اسکے بیان میں طوالت ہو گئی ہے، بندہ اس طوالت پر معذرت خواہ ہے بات اس پر چلی ہوئی تھی کہ قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو شہید اور شاہد فرمایا گیا ہے تو اس کا ترجمہ محققین مترجمین نے کیا کیا ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ گواہ کیا ہے

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس ترجمہ سے حاضر وناظر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ گواہ کے لئے حضور اور مشاہدۂ ضروری ہے۔

اب دوسرا ترجمہ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

(اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ)

یہاں بھی شہید کا معنی گواہ کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں فاضل بریلوی نے کئی اور علمی اشارے بھی کئے ہیں۔

اوّل یہاں اشکال ہوتا ہے کہ (علیکم) یہ جار مجرور شہیدًا کے متعلق ہے اور شہادۃ کا صلہ علیٰ ہو تو ضرر کا معنی دیتا ہے تو فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں اشارہ فرمایا کہ لفظ (علیکم) شہید کا صلہ نہیں ہے بلکہ رقیب کا صلہ ہے جس کا معنی نگہبان ہے اور یہاں شہید رقیب کے معنی کو متضمن ہے۔

دوم فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں (یہ رسول) فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ الرسول سے معیّن رسول مراد ہیں جو کہ محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں، فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ترجمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ نفس ترجمہ میں ان اشکالات کو رفع فرما دیتے ہیں جن کو مفسرین نے طویل عبارات میں حل کیا ہے۔

اب دوسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

قولہٗ تعالیٰ (فکیف إذا جئنا من کل أمّة بشهید وجئنا بك علی هؤلاء شهیدا)

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اس کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

(اور کیسی ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں)

اس ترجمہ میں بھی فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے دونوں جگہ پر شہید کا معنی گواہ کیا ہے۔

اب تیسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

قولہٗ تعالیٰ (یاأیها النبی إنا أرسلنك شاهدا۔الآیة)

فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر)

اس ترجمہ میں شاہد کا معنی حاضر وناظر کیا گیا ہے جیسا کہ مفردات راغب کے حوالہ سے بندہ پہلے ذکر کر چکا ہے، دوبارہ مفردات کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة)

یعنی شاہد، شہود سے مشتق ہے یا شہادۃ سے اور ہر ایک کا معنی ہے حضور اور مشاہدہ حضور کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی حاضر ہو گیا، مشاہدہ کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی ناظر ہو گیا۔

یہاں تک بندہ نے لغت اور صرف ونحو اور محققین مترجمین کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ شہید اور شاہد کا معنی قرآن پاک میں حاضر اور ناظر ہے۔ اب اس پر اور دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب روح المعانی نے مذکورہ بالا تیسری آیت کی تفسیر میں فرمایا:

(علی من بُعِثتَ إلیهم تراقب أحوالهم و تشاهد أعمالهم و تتحمل عنهم الشهادة بما صدر عنهم من التصدیق والتکذیب وسائر ما هم علیه من الهُدی والضلال وتؤدیها یوم القیامة أداءً مقبولاً فی مالهم وما علیهم)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں صرف (شاہدا) کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر نہیں ہے جن کے متعلق گواہی دینی ہے، اس لئے صاحب روح المعانی نے

فرمایا کہ آپ گواہی ان لوگوں پر دیں گے جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور ان کے احوال کی حفاظت اور اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جو ان لوگوں سے تصدیق یا تکذیب صادر ہوئی اُس کی شھادت کے حامل ہیں اور اسی طرح امت کی ہدایت اور ضلالت پر بھی قیامت کے دن شھادت دیں گے اور وہ شھادت مقبول ہو گی خواہ امت کے نفع کے لئے ہو یا نقصان کے لئے-

اب علامہ الوسی کی عبارت کے چند نکات ملاحظہ فرمائیں-

اوّل- عبارت میں احوال واعمال دونوں کا ذکر ہے احوال کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا جوارح یعنی ہاتھ پاؤں سے، تو معلوم ہوا کہ امت کے دل کے احوال اور اعضاء کے اعمال سب پر آپ کو اطلاع ہے-

دوم- علامہ الوسی نے (تشاهد أعمالهم) فرما کر تصریح کر دی کہ آپ اس لئے شاھد ہیں کہ امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں- یہاں علامہ نے شاہد بمعنی ناظر کی طرف اشارہ کر دیا ہے-

سوم- نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت دو قسم ہے- ایک امت دعوت یعنی جن کی طرف نبی مبعوث کیا جاتا ہے، خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں- دوم امت اجابت یعنی وہ لوگ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے، تو عبارت مذکورہ بالا میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی کہ جس امت کے احوال واعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جن کے احوال واعمال پر گواہی دیں گے وہ امتِ دعوت ہے نہ کہ صرف امتِ اجابت اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ نے اس امت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے- (على من بعثت اليهم) یعنی اس امت سے مراد وہ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور اسی کو امت دعوت کہتے ہیں، نیز علامہ مذکور نے احوال اور اعمال کی تفسیر تصدیق اور تکذیب اور ھُدیٰ اور ضلالۃ سے کی ہے تو اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ مؤمنوں اور کافروں سب کے احوال واعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس پر قیامت کے دن گواہی دیں گے تو اس سے بھی پتہ چلا کہ امت سے مراد امتِ دعوت ہے-

اس تفسیر کے اخیر میں صاحب روح المعانی نے سادات صوفیہ کا اس بارے

میں مذہب نقل کیا ہے- عبارت ملاحظہ ہو:

(وأشار بعض السّادة الصوفية إلى أن الله تعالىٰ قد أطلعه ﷺ على أعمال العباد فنظر إليها ولذلك أطلق عليه عليه الصلوٰة والسلام شاهدا)

ان سادات صوفیہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تمام بندوں کے تمام اعمال پر مطلع فرما دیا ہے اور آپ نے ان سب کی طرف نظر فرمائی اور دیکھا ہے اسی لئے قرآن پاک میں آپ پر شاہد کا اطلاق کیا گیا ہے-

اب اس عبارت کے بھی چند فوائد ملاحظہ ہوں-

اوّل- مفسر نے اپنی تفسیر میں (اعمال العباد) کا ذکر فرمایا ہے جس کا معنی تمام بندوں کے تمام اعمال ہیں- خواہ مؤمن ہوں خواہ کافر، تو معلوم ہوا کہ آپ کو مومنوں اور کافروں سب کے احوال واعمال پر اطلاع ہے-

دوم- صوفیہ نے شاہد کی یہ وجہ ذکر کی ہے کہ آپ ان اعمال کی طرف ناظر ہیں، تو معلوم ہوا صوفیہ کے نزدیک اس آیت میں شاہد کا معنی ناظر ہے اور علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو صوفیہ کا مذہب نقل کیا ہے وہ بالکل مفسر کی اپنی تفسیر کے مطابق ہے جس کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے نیز یہ ساری تقریر اس تفسیر کے بالکل مطابق ہے جو تفسیر عزیزی سے بندہ ابتداء میں نقل کر چکا ہے-

صاحب روح المعانی نے اپنی سابقہ عبارت میں جن بعض صوفیہ کا ذکر کیا ہے مفسر ان میں سے ایک مثال پیش کرتا ہے- عبارت ملاحظہ ہو-

(قال مولانا جلال الدين الرومي قدس سره العزيز في مثنويه)

در نظر بودش مقامات العباد ، زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

یعنی مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مثنوی میں فرمایا کہ چونکہ تمام بندوں کے تمام درجات آپ کی نظر میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام قرآن پاک میں شاہد فرمایا- اس شعر میں لفظ (مقامات العباد) اس پر دال ہے کہ مؤمن کافر کی کوئی تخصیص نہیں اور احوال واعمال کی بھی کوئی تخصیص نہیں، سب کے احوال واعمال آپ کی نظر میں ہیں، نیز اس شعر میں بھی شاہد نام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ مقامات العباد

(بندوں کے مقامات) آپ کی نظر میں ہیں تو معلوم ہوا کہ علامہ رومی کے نزدیک بھی شاہد کا معنی ناظر ہے۔

نیز اس شعر میں ایک اور خاص نکتہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ لفظ (بود) ماضی کا صیغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں مقامات العباد آپ کی نظر میں تھے، یعنی جبکہ عباد اور ان کے اعمال وجود میں بھی نہیں آئے تھے، اس وقت بھی آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے، یعنی جب بندہ کوئی عمل کرتا ہے تو صرف اسی وقت آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہیں ہوتا بلکہ عمل کرنے سے پہلے بھی مقامات العباد آپ کی نظر میں ہیں۔

ان سب عبارات سے بندہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حاضر و ناظر کہنا جائز ہے، جیسا کہ اھل سنت کا عقیدہ ہے۔

اس پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں۔

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے۔

(وقال عمرو بن دینار) هو ابو محمد مولی قیس، مکی امام یروی عن ابن عباس وابن عمر و جابر و عنه شعبة و سفیانان و حماد ان وهو عالم حجة أخرج له الائمة الستة (فی قوله) ای الله سبحانه(فاذا دخلتم بیوتا) بضم الباء و کسرها(فسلموا علیٰ انفسكم) ای علی أهلیكم (تحية من عندالله مباركة طيبة)(قال) ای ابن دينار وهو من كبار التابعين المكيين وفقهائهم(إن لم يكن فی البيت أحد فقل السلام علی النبی ورحمة الله وبركاته)ای لان روحه عليه السلام حاضر فی بيوت أهل الاسلام)

اس عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن دینار جو کہ تابعی اور ابن عباس اور ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے ائمہ صحاح ستہ کے مصنفین ان سے روایت کرتے ہیں اور مکہ شریف کے تابعین اور فقہاء سے درجہ کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت (فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی أنفسكم) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اپنے اہل و عیال کو سلام کرو اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہو کہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

علامہ علی قاری اس سلام کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح تمام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے، لہٰذا یہ سلام اس روح پر ہے۔

اس عبارت میں علامہ علی قاری نے آنحضرت ﷺ پر لفظ (حاضر) کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ اھل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ حاضر ہیں۔

اس عبارت سے بندہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ علمائے محدثین نے آپ کو حاضر کہا ہے اور حاضر کا آپ پر اطلاق کیا ہے، جو کہ شاہد اور شہید کا معنی ہے۔ جس کی تحقیق گزر گئی ہے۔

اگرچہ اس عبارت سے جو بندہ کا مقصد ہے وہ تو پورا ہو گیا، لیکن بعض منکرین خلط مبحث کے لئے اس عبارت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ عبارت میں تو بیوت اھل اسلام کی تخصیص ہے پھر ہر جگہ حاضر ہونا کیسا ثابت ہے؟ جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں تو اس سوال کے چند جواب ملاحظہ ہوں :

جواب اوّل : اس عبارت میں بیوت اہل اسلام کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ کیونکہ آیت شریف میں بیوت کا ذکر ہے اور دخلتم میں مخاطبین مسلمان ہیں اور چونکہ تفسیر آیت مذکورہ کی ہو رہی ہے اس وجہ سے بیوت اہل اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواب دوم : اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو قرآن پاک میں شاھد اور شہید فرمایا اور جس کا معنی بندہ حاضر اور ناظر ثابت کر چکا ہے، اس میں کسی زمان اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، تو کسی مصنف کی عبارت میں تخصیص قرآن پاک کے عموم کو باطل نہیں کر سکتی، لہٰذا بیوت اہل اسلام کی تخصیص اتفاقی ہی ہو گی۔

جواب سوم : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز التحیات کے اس جملہ (السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبركاته) کی تشریح میں فرماتے ہیں:

بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود، تابانوار قرب واسرار معرفت متنور و فائز گردد)

اس عبارت میں شیخ محقق نے عرفاء کا یہ مذہب نقل فرمایا کہ تمام موجودات و ممکنات میں حقیقت محمدیہ کا سریان ہے اور وہ سب میں موجود اور حاضر ہے، تو نماز پڑھنے والے کو اس حضور سے غافل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کا تصور کرنا چاہئے، تاکہ اس قرب اور معرفت سے وہ منور اور بہرہ ور ہو جائے، شیخ کی اس عبارت سے کئی امور ثابت ہوئے - اوّل: آپ پر حاضر کا اطلاق جائز ہے - دوم: آپ تمام موجودات و ممکنات میں موجود و حاضر ہیں، تو ثابت ہوا کہ علی قاری کی عبارت میں بیوت اہل الاسلام کی قید اتفاقی ہے - سوم: جو شخص اس شہود کا منکر ہے اس کو انوار قرب اور معرفت سے کوئی حصہ نہیں ہے-

یہاں تک اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ حاضر ہیں اور قرآن پاک اور علمائے امت نے آپ کو حاضر کہا ہے، اب آپ کے ناظر ہونے پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں-

مواہب لدنیہ میں ہے:

(أخرج الطبراني عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال قال رسول الله ﷺ إن الله قد رفع لي الدنيا فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلى كفي هذه)

خلاصہ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے رکھ دیا ہے اور میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں-

اب اس حدیث کے فوائد ملاحظہ ہوں - اوّل - تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے قیامت تک آنحضرت ﷺ اس کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی آدمی اپنی ہتھیلی اپنے سامنے کر دے تو وہ آدمی اپنی ہتھیلی اور اس پر ہر چیز کو دیکھتا ہے - تو یہاں سے آپ کا ناظر ہونا ثابت ہو گیا - دوم - علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مقام جملہ فعلیہ کا ہو اور وہاں جملہ اسمیہ لایا جائے تو یہ دوام کا فائدہ دیتا ہے - اب اگر جملہ اسمیہ کی خبر اسم ہو تو دوام ثبات مراد لیا جاتا ہے اور اگر جملہ اسمیہ میں جو خبر ہے وہ فعل مضارع ہو تو

دوام تجدد مراد ہوتا ہے، دوام کی ان دونوں قسموں میں فرق بعد میں آئے گا، اس جگہ حدیث میں بھی مقام جملہ فعلیہ کا تھا لیکن جملہ اسمیہ لایا گیا ہے - جس کی خبر فعل مضارع ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اوّل حدیث میں فرمایا گیا (قد رفع لي الدنيا) یہ جملہ فعلیہ ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں یہ فرمایا جاتا (فنظرت إليها) لیکن اس کی جگہ فرمایا گیا (فأنا أنظر إليها) یہ جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر فعل مضارع ہے جو کہ دوام تجدد کا فائدہ دیتا ہے، تو اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں ہمیشہ دنیا اور مافیہا کی طرف دیکھ رہا ہوں، اگر اس جملہ کی جگہ (فنظرت إليها) ہوتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آپ نے صرف ایک دفعہ ان کا ملاحظہ کیا ہے، ہمیشہ نہیں تو جملہ اسمیہ ذکر فرما کر اس وہم کو رفع کر دیا-

فائدہ سوم - آنحضرت ﷺ کائنات کے موجود ہونے سے پہلے اس کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جیسا کہ مولانا روم کے شعر کی تشریح میں گذر چکا ہے شعر دوبارہ ملاحظہ ہو-

در نظر بودش مقامات العباد - زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

اب ذرا دوام ثبات اور دوام تجدد میں فرق ملاحظہ کریں-

دوام ثبات اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی شے کا اس طرح دوام ہو کہ وہاں انقطاع بالفعل بالکل نہ ہو - اس کی پھر دو قسم ہیں - ایک قسم یہ ہے کہ انقطاع بالفعل تو نہیں ہے لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، جیسے آسمانوں کی حرکت فلاسفہ کے نزدیک دائم اور ثابت ہے بالفعل انقطاع نہیں ہے، لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، یعنی اگر آسمان حرکت نہ کرے تو اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے - دوسری قسم دوام ثبات کی یہ ہے کہ بالفعل انقطاع نہیں ہے، اس کے باوجود انقطاع عقلاً محال ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی صفات کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے نہ تو انقطاع بالفعل ہے اور نہ ہی انقطاع ممکن ہے، بلکہ انقطاع محال یہ قسم یعنی دوام ثبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، کسی ممکن میں نہیں پائی جاتی خواہ وہ ممکن نبی ہو یا ولی یا فرشتہ وغیرہ-

یہاں تک دوام ثبات اور اس کی دو قسموں کا ذکر آ گیا ہے - اب دوام تجدد کا معنی ملاحظہ ہو-

دوام تجدد یہ ہے کہ کسی چیز کا دوام تو ہو، لیکن یہ دوام وقفہ وقفہ سے ہو اور

درمیان میں کچھ دیر کے لئے انقطاع بھی ہوتا ہے، یہ دوام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ میں ہرگز نہیں پایا جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ میں یہ دوام تجدد محال ہے، اس دوام تجدد کی ایک مثال ملاحظہ ہو، مثلاً ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی ہمیشہ گندم کی روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ ہر وقت کھاتا ہی رہتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کھاتا ہے پھر کھانا منقطع کر دیتا ہے پھر دوسرے وقت میں روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے جو حدیث مذکور بالا میں یہ فرمایا (**فانا أنظر إليها وإلى ماهو كائن فيها إلى يوم القيامة الحديث**) تو اس حدیث شریف میں اسی دوام تجدد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ جب سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو کسی چیز کی طرف التفات نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اپنے بدن شریف کی طرف بھی توجہ نہیں ہوتی یہی اس مشہور حدیث شریف کا مطلب ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(**لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل او كما قال عليه الصلوة والسلام**)

یہاں ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو: میرے حضرت جناب سیدی مولائی حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ العزیز نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ دوام ثبات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس دوام ثبات سے وہی مراد ہے جس کا انقطاع محال ہے۔

بعض ناواقف لوگوں کو اس عبارت سے دھوکہ ہوتا ہے کہ جب دوام ثبات اللہ تعالیٰ جل شانہ کا خاصہ ہے، تو نبی علیہ السلام میں کیسا دوام پایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ نبی علیہ السلام کے علم میں دوام تجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوام ثبات ہے جس کا انقطاع اور انفکاک محال ہے۔ بندہ نے یہ نکتہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت اعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت پر اعتراض کیا تھا اور بندہ نے اسکا یہی جواب دیا۔ بندہ حدیث شریف طبرانی کے (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) فوائد بیان کر رہا تھا اس ضمن میں فائدہ سوم میں ذرا طوالت ہو گئی ہے۔

اب حدیث شریف کا فائدہ چہارم ملاحظہ ہو۔

فائدہ چہارم: سرکار مدینہ ﷺ نے اس حدیث شریف میں فرمایا (**کانما أنظر إلى كفي هذه**) اس سے معلوم ہوا کہ تمام کائنات قیامت تک آنحضرت ﷺ کے سامنے اس طرح ہے جیسے کہ کسی کے سامنے ہتھیلی ہو، جس ذات کے سامنے ساری دنیا ہتھیلی کی طرح ہو، اس کو نہ تو کسی طرف آنے جانے کی ضرورت ہے اور نہ متعدد ہونے کی ضرورت ہے، بلکہ وہ ایک جگہ ہی تشریف فرما ہو کر سارے عالم کا مشاہدہ فرماتے ہیں، تو آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ اور ارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے حاضر ہے۔

حاضر ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے، اس عقیدہ میں کئی قباحتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مستند کتب میں تصریح ہے کہ تعدد مغائرت کو مستلزم ہے اور اتحاد اور تعدد دونوں اکٹھے متصور نہیں ہو سکتے، تو اب خرابی یہ لازم آئے گی کہ خاتم النبیین متعدد اور مغائر ہو گئے حالانکہ، خاتم النبیین صرف ایک جزئی حقیقی ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔

دوسری خرابی یہ ہوگی کہ ایک عورت کے بہت سے خاوند ہو گئے۔

تیسری خرابی یہ ہوگی کہ تکثر جزئی لازم آئے گا جو کہ عقلاً محال ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہوگی کہ منکرین حاضر ناظر یہ گستاخی کرتے ہیں کہ جب آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو جس جگہ ہم کھڑے ہیں یہ بھی تو ایک جگہ ہے اور یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس جگہ پر تو ہمارے قدم ہیں، نیز بیت الخلاء بھی تو ایک جگہ ہے یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے؟ نعوذ باللہ من هذه الخرافات تو بندہ نے جو حاضر و ناظر کی حدیث شریف کے مطابق تحقیق کی ہے، اس سے ان خرافات کا قلع قمع ہو جاتا ہے، دیوبندی مکتب فکر کے عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں مجلس میلاد سرکار دو عالم ﷺ کے جلوہ افروز ہونے پر ایک منطقی اعتراض کیا ہے اس کا جواب بھی مذکورہ بالا حدیث شریف سے واضح ہو گیا

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا سوال یہ ہے کہ اہل سنت کا جو یہ عقید:

ہے کہ آنحضرت ﷺ مجلس میلاد میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو آیا ہر مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہیں یا بعض میں؟ پہلی صورت میں تکثر جزئی لازم آئے گا اور دوسری صورت میں ترجیح بلا مرجح اور دونوں باطل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب مجالس میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور تکثر جزئی لازم نہیں آتا کیونکہ تمام مجالس میلاد آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح حاضر ہیں لہذا تعدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب پر لازم تھا کہ پہلے اہل سنت کا عقیدہ معلوم کرتے اور اس کے بعد اس پر اعتراض کرتے جیسا کہ مناظرہ کا طریقہ ہے۔

مجلس میلاد میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ جو سب کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ قریب ہیں، بہ نسبت حاضرین کے جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، کیونکہ آپ کا ملاحظہ فرمانا اسی طرح ہے جیسا ہتھیلی کی طرف دیکھنا ہو، تو ہر بندے کی ہتھیلی دوسرے بندے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، تو جس ذات کا دیکھنا حاضرین مجلس سے زیادہ قریب ہو اس کو متعدد ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

یہاں بندہ نے حاضر و ناظر کی ذرا تفصیل بیان کر دی ہے تاکہ اہل سنت کو صحیح عقیدہ معلوم ہو، یہاں ضمناً ایک اور فائدہ بھی ملاحظہ ہو کہ ایک تکثر جزئی ہے۔ یہ عقلاً محال ہے اور دوسرا تمثل جزئی ہے اور یہ جائز ہے، تمثل جزئی کا یہ مطلب ہے کہ جزئی حقیقی صرف ایک ہے اور اسکی مثالیں متعدد ہیں جو کہ اس کے مغائر ہیں چونکہ ان کے درمیان نہایت درجہ کی مشابہت ہے، اس لئے دیکھنے والا ہر ایک مثال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہی جزئی حقیقی ہے، یہ چیز بندہ نے اس لئے ذکر کی ہے کہ بعض اولیائے کرام کے متعلق کتابوں میں آیا ہے وہ ایک وقت میں متعدد جگہ پر دیکھے گئے، چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کتب فقہ میں ہے کہ انہوں نے حج کا زاد سفر کسی محتاج کو عطا کر دیا اور خود حج پر نہیں گئے تھے، لیکن لوگوں نے مکہ مکرمہ میں ان کو حج میں شامل دیکھا تو یہ تمثل جزئی ہے، یعنی حضرت شیخ تو گھر میں ہی تشریف فرما تھے اور

حج پر نہیں گئے، لیکن فرشتے نے ان کی شکل میں حج ادا کیا۔

فائدہ پنجم: قرآن کریم میں ہے **قولہ تعالیٰ (ملک الموت الذی وکل بکم)** یعنی ایک فرشتہ ملک الموت ہے جو ارواح کے قبض کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے تھالی پڑی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت جو ایک وقت میں کئی ارواح مختلف جگہوں سے قبض کرتا ہے، تو اس کو بھی متعدد ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ بیٹھے سب جگہ سے ارواح کو قبض کر لیتا ہے، غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ کا علمی رتبہ ملک الموت سے زیادہ ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرق کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تمام کائنات قیامت تک آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح ہے اور ساری زمین ملک الموت کے سامنے تھالی کی طرح ہے اور تھالی کی سطح ہتھیلی کی سطح سے فراخ ہوتی ہے، تو ساری زمین ملک الموت کے سامنے ذرا وسیع معلوم ہوتی ہے اور تمام کائنات کی وسعت نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس سے کم ہے۔

قبل ازیں ابتداء میں شاہد اور شہید کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ تمام امت کے احوال اور اعمال کا آنحضرت ﷺ مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان احوال و اعمال پر آپ کو اطلاع ہے اور صرف آپ احوال و اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں، بلکہ عاملین یعنی عمل کرنے والوں کو بھی جانتے ہیں جب ہی تو قیامت میں گواہی دیں گے، کیونکہ اگر شاہد، عامل کو نہیں جانتا تو اس پر کیسے گواہی دے سکتا ہے؟ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ عاملین خواہ آپ کے زمانہ میں تھے یا قیامت تک جو آنے والے ہیں، سب پر آپ کو اطلاع ہے اور اس مسئلہ کو علماء کی اصطلاح میں (عرض اعمال) کا مسئلہ کہا جاتا ہے اور یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء ہے۔

بندہ نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے اور جو لوگ اس کے منکر ہیں تو ان کے کئی گروہ ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو سرے سے عرض اعمال کا منکر ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کے احوال و اعمال پر تو آپ کو اطلاع ہے، لیکن آپ کے بعد والے زمانہ کے لوگوں کی آپ کو اطلاع نہیں ہے

ایک تیسرا گروہ ہے جس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے احوال واعمال پر تو آپ کو اطلاع ہے اور کفار ومنافقین کے احوال واعمال پر اطلاع نہیں ہے، ان لوگوں کو اپنے خیال پر دلائل قائم کرنے میں شدید دھوکے لگے ہیں، اگرچہ بعض ان میں سے اچھے خاصے مفسر اور محدث ہیں اس لئے عرض اعمال پر یہاں ایک اور حدیث شریف پیش کی جاتی ہے، اس حدیث شریف سے آپ کا حاضر ناظر ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے جو کہ بندہ کا اصلی مقصد ہے، یہ حدیث شریف علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں آیت مندرجہ ذیل کی تفسیر میں نقل کی ہے۔ آیت شریفہ یہ ہے (فكيف اذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاءِ شهيدا) اس آیت شریفہ کے تحت علامہ ابن حجر نے پہلے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے راوی محمد بن فضالہ ہیں اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہی دیں گے جو آپ کے زمانہ میں تھے، اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے علامہ ابن حجر نے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے حدیث شریف ملاحظہ ہو: (واخرج ابن المبارك فى الزهد من طريق سعيد بن المسيب قال ليس من يوم إلايعرض على النبى ﷺ امتهٗ غدوةً و عشيةً فيعرفهم بسيماهم و أعمالهم فلذلك يشهد عليهم) یہاں تک حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (ففى هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذى تضمنهٗ حديث ابن فضالة) یعنی محمد ابن فضالہ کی گذشتہ حدیث سے جو یہ اشکال ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد قیامت تک جو امت آنے والی ہے، ان پر آپ گواہ نہیں ہونگے، اس دوسری حدیث سے جو کہ مرسل ہے وہ اشکال رفع ہو گیا، کیونکہ اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہر صبح شام ساری امت آپ پر پیش کی جاتی ہے اور آپ ہر ایک کو اس کی شکل وشباہت اور وضع قطع اور دوسری علامات سے، نیز ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں، لہذا قیامت تک جو امت آنے والی ہے سب کے لیے شہید اور حاضر وناظر ہیں۔

اب اس حدیث شریف کے چند فوائد ملاحظہ ہوں۔

اوّل۔ نبی اکرم ﷺ امت کے صرف اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں اور صرف اعمال کی وجہ سے ہی امت کو نہیں پہچانتے بلکہ شکل وشباہت اور علامات سے بھی ہر امتی کو پہچانتے ہیں اور قیامت میں ہر ایک کو پہچان کر اس کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

فائدہ دوم۔ اس حدیث شریف میں بھی یہ لفظ ہے (فيعرفهم) جو کہ معرفت سے مشتق ہے اور معرفت کا معنی پیچھے گذر چکا ہے کہ معرفت اس ادراک کو کہتے ہیں جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ اس جگہ (فيعلمهم) کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ معرفت وحی کے ذریعہ سے یا فرشتوں کی اطلاع کی وجہ سے ہوتی ہے، بلکہ یہ معرفت وحی اور ملائکہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہوتی ہے، چونکہ معرفت حواس کے ذریعے سے ہوتی ہے، لہذا آپ کا ناظر ہونا بھی حواس کے ذریعے سے ثابت ہو گیا۔

حاضر اور ناظر پر اور بھی دلائل ہیں جو کہ مواہب لدنیہ اور دیگر کتب سیرت میں مذکور ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے بندہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔ اس کے بعد بندہ منکرین کے چند اشکالات نقل کرتا ہے، جو کہ آپ کے حاضر ناظر ہونے کے خلاف کیے جاتے ہیں۔

اشکال اوّل: منکرین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ بھی حاضر ناظر ہے اگر آپ بھی حاضر ناظر ہوں تو شرک لازم آئے گا، تو اس کے کئی جواب ہیں لیکن ان جوابات میں پورا غور کرنا پڑے گا تب سمجھ آئیں گے، کیونکہ اس میں علم لغت اور علم کلام کا بہت دخل ہے۔

جواب اوّل: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسماء توقیفی اور شرع شریف پر موقوف ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق کر سکتے ہیں جو قرآن اور حدیث میں آیا ہے اور جو اسم قرآن وحدیث میں نہیں آیا اس اسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو اسماء قرآن وحدیث میں ہیں ان میں کہیں حاضر ناظر نہیں ہے تو اس صورت میں شرک کیسے لازم آئے گا؟

اس مسئلہ پر کتب کلام سے دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری مولانا عبد الحکیم

سیالکوٹی رحمہ اللہ حاشیہ خیالی میں شرح مواقف سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

(اعلم أنه لا كلام فى جواز إطلاق أسماء ألاعلام الموضوعة فى اللغات له بل إنما النزاع فى الأسماء المأخوذة من الصفات والافعال فذهب المعتزلة والكرامية إلى أنه إذا دل العقل على اتصافه تعالىٰ بصفة وجودية او سلبية جاز أن يطلق عليه تعالىٰ اسم يدل على اتصافه تعالى بها سواء ورد بذلك إذن الشرع أولاو كذا الحال فى الأفعال وقال القاضى أبو بكر منا كل لفظ دل على معنى ثابت فيه جاز إطلاقه عليه بلا توقيف إذالم يكن موهما بما لا يليق بذاته تعالىٰ وقد يقال لابد مع نفى ذلك الايهام من الاشعار بالتعظيم حتّى يصح الاطلاق بلا توقف و ذهب الشيخ و متابعوه إلى انه لابد من التوقيف وهو المختار وذلك الاحتياط احترازا عما يوهم باطلا،لعظم الخطر فى ذلك فلا يجوز الاكتفاء فى عدم إيهام الباطل بمبلغ إدراكنا بل لا بد من الاسناد إلى إذن الشرع كذا فى شرح المواقف)

خلاصہ اس طویل عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء دو قسم کے ہیں اوّل عَلَم جو کہ ذات کے لئے موضوع ہے اور یہ عربی میں صرف لفظ اللہ ہے-دوم وہ اسماء جو صفات اور افعال سے مشتق ہیں، جیسا کہ علیم و قدیر و سمیع و بصیر و حی و متکلم و خالق ورازق و محیی و ممیت و معز و مذل- قسم اوّل یعنی عَلَم یہ شرع پر موقوف نہیں ہے ہر شخص اپنی لغت میں علم وضع کر سکتا ہے، جیسے فارسی والے خدا کہتے ہیں اور انگریزی زبان میں گاڈ (God) اور جو دوسرے قسم کے اسماء صفات ہیں ان میں شیخ ابو الحسن اشعری جو کہ علم کلام میں اہل سنت کے امام ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسماء توقیفی ہیں، یعنی سماع شرع پر موقوف ہیں، جن اسماء صفات کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے صرف ان ہی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے، ہم اپنی طرف سے اپنے علم کے مطابق کسی نام کا اطلاق نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم تو اپنے علم کے مطابق یہ خیال کریں گے کہ اس اسم میں کمال فضیلت ہے اور کسی باطل کا شبہہ نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ واقع میں ہم کو غلطی واقع ہو گئی ہو اور اس اسم میں سوء ادبی اور بطلان ہو-

لہذا ہر اسم کے لئے اذن شرع ضروری ہے، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو اسم شرع شریف میں وارد ہوا ہے اس کا مترادف اور ہم معنی اللہ تعالیٰ پر اطلاق کر سکتے ہیں- شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ ترادف ہمارے علم کے مطابق ہو گا یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دو لفظ مترادف ہیں، ہو سکتا ہے کہ مترادف نہ ہوں اور جس کو ہم مترادف سمجھ رہے ہوں اس میں کسی نقص کا وہم ہو اور یہ مقام بڑا عظیم الشان ہے، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہے جو کہ بہت ہی مبرا، منزہ، مقدس ذات ہے تو اس میں احتیاط یہی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اپنے علم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے-

کتب کلام میں اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں، مثلاً جواد اور سخی مترادف ہیں اور عالم اور عارف اور فقیہ اور عامل یہ مترادف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پر ان میں سے صرف جواد اور عالم کا اطلاق جائز ہے جو کہ شرع شریف میں وارد ہے سخی اور عارف اور فقیہ اور عامل کا اطلاق ناجائز ہے، اس پر مزید دلیل ملاحظہ ہو-

(اذلانسلم أن الاذن بالشيئى إذن بمرادفه ولازمه لاحتمال أن يكون ذلك المرادف واللازم موهمين للنقص ولا يجوز الاكتفاء فى عدم إيهام الباطل بمبلغ إدراكنا لا حتمال عدم اطلاعنا على وجه إيهام فالتوقف واجب احتياطاً لعظم الخطر فى ذلك كما هو مذهب الشيخ الاشعرى وتابعيه)

اس عبارت میں فاضل محشی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو مرادف کے اطلاق کے قائل ہیں- خلاصہ رد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ایک شے کا اذن دیا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے مترادف اور لازم کا بھی علم ہو، کیونکہ ترادف اور لزوم کا مدار ہمارے علم پر ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے علم میں غلطی واقع ہوئی ہو اور واقع میں لزوم اور ترادف نہ ہو، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ میں ہے، لہذا احتیاط واجب اور ضروری ہے، البتہ قاضی ابو بکر باقلانی جو کہ علماء اہل سنت میں سے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ میں پایا گیا ہے تو اس معنی پر جو لفظ

والی ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کر سکتے ہیں، اگرچہ وہ لفظ شرع شریف میں وارد نہ ہو لیکن قاضی ابو بکر کے نزدیک اس لفظ کے اطلاق کے لئے دو شرطیں ہیں -

اوّل یہ کہ اس میں کسی خرابی کا وہم نہ ہو-

دوسرا یہ کہ وہ لفظ مُشعر بالتعظیم ہو یعنی اس سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو-

اس ساری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں اس لفظ کا طلاق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ ہر دو لفظ ان الفاظ کے مترادف ہیں جو شرع شریف میں وارد ہیں تو یہ قول بھی باطل ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے لہذا شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ٹھہرا- اور قاضی ابو بکر باقلانی کے مذہب پر بھی ناظر کا اطلاق منع ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم ہے اور یہ نقص بندہ دوسرے جواب میں تفصیل سے ذکر کرے گا-

جواب دوم- یہاں بندہ ایک لغوی بحث پیش کرے گا جس سے ثابت ہو گا کہ ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے اور اس میں نقص کا قوی وہم ہے-

مقامات کے حاشیہ میں ہے :

(اعلم أن الرؤية إدراك المرئیّ والنظر هو الاقبال بالبصر نحو المرئیّ ولذلك قد ينظر ولا يراه ومنه لا يقال لله ناظر)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ ایک رؤیت ہے اور دوسری نظر ہے رویت نظر کو لازم نہیں کیونکہ رؤیت کا معنی إدراك المرئیّ یعنی کسی شے کو دیکھ لینا اور نظر کا معنی ہماری زبان میں دیکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ دیکھنے کو دیکھ لینا لازم نہیں ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے قد ينظر ولا يراه یعنی فلاں نے دیکھا تو تھا لیکن وہ شے نظر نہ آئی، اب اگر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کریں گے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بعض چیزوں کی طرف دیکھتا ہے، لیکن وہ چیز نظر نہیں آتی اور اس میں شدید قبح ہے نعوذ باللہ من هذه القبائح- اس لئے محشی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناظر نہ کہا جائے-

قارئین ! بندہ نے جو یہ حاشیہ مقامات کی عبارت نقل کی ہے یہ عبارت

علمائے دیوبند کے سرخیل مولوی محمد ادریس کاندھلوی کی ہے تو معلوم ہوا کہ دیوبندی مکتب فکر کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو ناظر کہنا منع ہے-

اب اس تحقیق سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ناظر نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قاضی ابو بکر باقلانی کے نزدیک بھی ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے کیونکہ اس میں شدید نقص ہے-

(فائدہ مہمہ) یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ بندہ نے جو ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بعینہ ان اسماء کا شرع شریف میں وارد ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر نظر یا ینظر شرع شریف میں آجائے اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس سے ناظر کہنا جائز نہیں ہوگا- جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (وعلّم آدم الاسماء كلّها) اب اس میں علّم کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن علامہ بیضاوی نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلّم نہیں کہہ سکتے، بیضاوی کی عبارت ملاحظہ ہو- (وان التعليم يصح اسناده الى الله تعالىٰ وان لم يصح اطلاق المعلِّم عليه) یعنی اگرچہ تعلیم کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو معلم نہیں کہہ سکتے- تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاہے گاہے نفسِ فعل کے معنی میں کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن جب اس سے اسم مشتق کیا جاتا ہے تو اس میں نقصان آجاتا ہے-

بندہ نے یہ اس لیے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ افعال کے اطلاق سے اسم کے اطلاق پر دلیل پکڑتے ہیں، یعنی اگر شرع شریف میں نَظَرَ، یَنظر واقع ہو تو اس سے ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں- فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ خیالی میں فرمایا ہے (كون المأخذ صفة لله تعالىٰ لا يدل على صحة إطلاق المشتق على الله لأن الإطلاق موقوف على الإذن الشرعی) مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اگر مصدر اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو ضروری نہیں کہ اس مصدر سے اسم کا صیغہ مشتق کر کے اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جائے-

جواب سوم- اگر بالفرض والتقدیر حاضر وناظر اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہو تو پھر جبکہ کئی دوسرے اسماء الٰہیّہ کا اطلاق نبی علیہ السلام پر ہوتا ہے تو اگر حاضر ناظر کا اطلاق

آپ پر ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے ؟ مثلاً شاہد و شہید و رؤف و رحیم ان چاروں کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر آگیا ہے حالانکہ یہ اسماء الٰہیّہ میں سے ہیں۔ دراصل منکرین کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندے کی صفات میں فرق کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اطلاق جو بندے پر ہو جاتا ہے تو یہ صرف لفظی اشتراک ہے، ان کے معانی میں زمین آسمان سے زیادہ فرق ہے شاید منکرین اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے جیسی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے پیٹ میں شرک کا درد اٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور بندے کی صفات کے درمیان فرق ملاحظہ ہو۔

شرح عقائد میں ہے :

(لا يشبهه شيئ اى لا يماثلهُ – أما إذا أريد بالمماثلة الا تحاد فى الحقيقة فظاهر أما اذا أريد بها كون الشيئَن بحيث يسد أحدهما مسد الآخر أى يصلح كل منهما لما يصلح له الآخر فلان شيئا من الموجودات لا يسّد مسده فى شيئ من الأوصاف فإن أوصافه من العلم والقدرة وغير ذلك أجل وأعلىٰ ممافى المخلوقات بحيث لا منا سبةَ بينهما قال فى البداية: إن العلم منّا موجود و عرض وعَلَمُ محدثٍ وجائز الوجود ويتجدد فى كل زمان فلوأثبتنا العلم صفة للّٰه لكان موجودا وصفة قديمة و واجب الوجود و دائما من الأزل إلى الأبد فلا يماثل علم الخلق بوجه من الوجوه)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے، کیونکہ مثل کے دو ہی معنی ہیں یا تو مثل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد ہو اور ظاہر ہے کوئی موجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد نہیں ہے اور مثل کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل وہ ہے کہ صفات میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہو سکے اور کوئی شے اپنی صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت اور مخلوق کے علم و قدرت میں بہت بڑا فرق ہے اور آن میں

کوئی مناسبت نہیں۔ مثلاً بندہ کا علم عرض ہے جو کہ محل کی طرف محتاج ہے اور حادث ہے یعنی پہلے معدوم تھا اور بعد میں موجود ہوا اور جائز الوجود ہے، یعنی اگر یہ علم نہ ہو تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایسی صفت ہے کہ قدیم ہے یعنی اس کی ابتداء نہیں اور واجب الوجود ہے یعنی علم کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری ہے اور انفکاک محال ہے اور ازل سے ابد تک دائم ہے، لہذا کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کے علم کی مثل نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں۔

اشکال دوم۔ بندہ نے جو شاہد اور شہید کا معنی ذکر کیا ہے اس پر منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا (ویکون الرسول علیکم شهیدا) سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (لتكونوا شهداء على الناس) یعنی تم لوگوں پر قیامت میں گواہی دو گے، تو اگر شاہد اور شہید کا معنی حاضر کیا جائے تو ساری امت حاضر ناظر ہو جائے گی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس سوال کے دو جواب ملاحظہ ہوں۔

جواب اوّل۔ مذکورہ بالا سوال منکرین کا بہت مشہور سوال ہے اور اس سے عوام کو کافی دھوکہ لگتا ہے۔ اس لئے اس جواب کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ اور اس پر غور لازمی ہے۔ تفصیل آیت کی یہ ہے کہ پہلی امتیں قیامت میں انکار کریں گی کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور اس نے ہم کو کوئی تبلیغ نہیں کی اور اگلی امتوں کے رسول یہ فرمائیں گے کہ ہم ان کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی تھی، تو اللہ تعالیٰ رسولوں سے اس دعویٰ پر گواہ طلب فرمائے گا، تو رسول کہیں گے کہ ہماری گواہ امت محمد ﷺ ہے، پھر یہ امت قیامت میں گواہی دے گی کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحیح فرماتے ہیں کہ یہ نبی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی، اگلی امتیں اس امت پر اعتراض کریں گی کہ تم تو ہم سے بہت پیچھے پیدا ہوئے اور تم ہمارے زمانہ میں موجود نہیں تھے تو پھر تم ہم پر کس طرح گواہی دے سکتے ہو ؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی، اس کتابِ مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو خبر دی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ فرمائی۔

اس پر بیضاوی شریف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(روی أن الامم یوم القیامة یجحدون تبلیغ الأنبیاء علیهم السلام فیطالبهم اللّٰه تعالیٰ بیّنة التبلیغ و هو أعلم بهم إقامة للحجّةِ علی المنکرین فیؤتی بامّةِ محمد ﷺ فیشهدون فتقول الامم من این عرفتم؟ فیقولون علمنا ذلك باخبار اللّٰه تعالیٰ فی کتابه الناطق علی لسان نبیّهِ الصادق)

خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ قیامت کے دن امتیں تبلیغِ انبیاء کا انکار کریں گی، تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، اس کے باوجود گواہ اس لئے طلب کیے جائیں گے تاکہ منکرین پر دلیل قائم ہو، پس امت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی، تو سابقہ امتیں اعتراض کریں گی کہ تم کو اس کا کیسے مشاہدہ حاصل ہوا؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کتاب کے ذریعہ سے خبر دی جو نبی صادق ﷺ پر نازل فرمائی، تو اس آیت میں بھی شہادت کا معنی حضور ہے کیونکہ حضور دو قسم ہے۔ اوّل حضور ذاتی اور دوم حضور علمی جیساکہ علم کی تعریف کتبِ منطق میں ہے (العلم هو الحاضر عندالمدرك) تو نبی علیہ السلام کی شہادت میں حضور ذاتی ہے اور امت کی شہادت میں حضور علمی اور حاضر ناظر وہ ہے جس کے لئے حضور ذاتی ہو نہ کہ جس کے لئے حضور علمی ہو۔ اس پر دلیل ملاحظہ ہو۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

(والمشاهدة بمعنی المعاینة للحضور إما بذاته و شخصه کما فی الامام والناصر وإما بعلمه کما فی القائم بالشهادة)

یعنی مشاہدہ کا معنی دیکھنا اور حضور ہے، یا تو یہ حضور بذاتہ اور بشخصہ ہوگا جیساکہ امام اور ناصر ہوتا ہے کہ امام کے سامنے جب مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یا ناصر جب کسی کی مدد کرتا ہے تو یہ دونوں بذاتہ اور بشخصہ حاضر ہوتے ہیں اور جو آدمی عدالت میں گواہی دیتا ہے تو اسکو واقعہ کا حضور علمی ہوتا ہے، یعنی وہ واقعہ اس کے ذہن میں حاضر ہوتا ہے

اگرچہ گواہی دینے کے وقت واقعہ کے مقام پر بذاتہ اور بشخصہ حاضر نہیں ہوتا۔

اسی حاشیہ بیضاوی میں فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

(وقد مرّ فی تفسیر قوله وادعوا شهداء کم أن الترکیب یدل علی الحضور إما ذاتًا أوعلماً)

یعنی پہلے گذر چکا ہے کہ شہادت کی ترکیب حضور پر دلالت کرتی ہے اور حضور یا ذاتی ہوتا ہے یا علمی۔

علامہ بیضاوی نے (قولهٗ تعالیٰ فمن شهد منکم الشهر فلیصمه) کی تفسیر میں فرمایا:

(فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصم فیه وقیل فمن شهد منکم هلال الشهر فلیصم)

یعنی یہاں بھی شہادت کا معنی حضور ہے اور اس کے دو معنی ہیں۔ معنی اوّل۔ وہ شخص کہ رمضان میں اپنے گھر میں حاضر ہے اور مسافر نہیں ہے۔ معنی دوم یہ کہ جو ہلال رمضان کو حاضر ہے یعنی جس نے چاند کو دیکھا ہے وہ روزہ رکھے پہلے معنی میں حضور ذاتی مراد ہے اور دوسرے معنی میں حضور علمی مراد ہے۔

دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

(فی القاموس شهدهٗ شهودا ای حضره وشهد اللّٰه انهٗ لا اله الّا هو ای علم وقد مرّ فی تفسیر قولهٖ تعالیٰ وادعوا شهداء کم أن الترکیب یدل علی الحضور إما ذاتا أو علماً)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ حضور دو قسم ہے۔ ذاتی اور علمی اور یہ جو فرمایا گیا ہے (شهد اللّٰه أنه لا اله إلّا هو) یہاں حضور علمی مراد ہے۔

علامہ بیضاوی نے جو فمن شهد منکم الشهر کے دو معنی بیان کیے ہیں، ان میں فاضل لاہوری اپنے حاشیے میں فرق بیان کرتے ہیں:

(فالاول مبنیّ علی أن الشهود بمعنی الحضور ذاتا والوجه الثانی مبنی علی أنه بمعنی الحضور علمًا ای من علم هلال الشهر و تیقّن به)

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضور دو قسم ہے اوّل حضور

ذاتی جو کہ ویکون الرسول علیکم شهیدا میں مراد لیا گیا ہے اور دوسرا حضور علمی جو کہ لتکونوا شهداء علی الناس میں مراد لیا گیا ہے -لہذا دوسرا اشکال رفع ہو گیا یہاں تک دوسرے اشکال کا پہلا جواب ختم ہوا-اب دوسرا جواب شروع ہوتا ہے-

جواب دوم-یہ ایک مسلم قاعدہ اور قانون ہے کہ لفظ کا ایک معنی حقیقی ہوتا ہے اور ایک مجازی، ہر جگہ لفظ کا حقیقی معنی لیا جائے گا اور حقیقی معنی کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ حقیقی معنی کے لئے قرینہ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ معنی کا حقیقی ہونا ہی اس کے مراد ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور جہاں حقیقی معنی نہیں بن سکتا تو وہاں معنی مجازی لیا جاتا ہے اور معنی مجازی کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے-آج کل ایک بری رسم چل نکلی ہے کہ جس جگہ لفظ کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو وہاں حقیقی معنی کا انکار ہی کر دیا جاتا ہے-اور عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہ حقیقی معنی ہوتا تو یہاں بھی وہ درست ٹھہرتا، یہ طریقہ غلط ہے اور جاہلوں کا کام ہے، کیونکہ حقیقی معنی تو لغت سے ثابت ہے، اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟لہذا جس جگہ حقیقی معنی نہیں بن سکے گا وہاں تأویل کی جائے گی-

اگرچہ یہ قاعدہ قانون ہر اہل علم جانتا ہے، لیکن پھر بھی اس کی وضاحت کے لئے بندہ ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً عربی لغت میں لفظ اسد کی وضع حیوان مفترس (چیرنے پھاڑنے والے حیوان) کے لئے ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اب عربی کا ایک اور محاورہ ہے (رأیت اسداً یرمی) یعنی میں نے اس شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا تھا، اس محاورہ میں اسد کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو کوئی ذی علم یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ اس محاورہ میں اسد کا معنی حیوان مفترس نہیں ہو سکتا، لہذا یہ اسد کا حقیقی معنی ہی نہیں ہے، جبکہ ہر ذی علم جانتا ہے کہ اسد کا حقیقی معنی تو وہی حیوان مفترس ہے، لیکن یہاں قرینہ کی وجہ سے معنی مجازی مراد لیں گے، منکرین کو یہاں بھی مذکورہ بالا دھوکہ ہوتا ہے، بندہ نے لغت کے لحاظ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں بھی شہادت کا مادہ مستعمل ہوگا تو وہاں مشاہدہ اور حضور کا ہونا ضروری ہے، لہذا اس معنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا، تو قرآن پاک میں جہاں جہاں آنحضرت ﷺ کو شاہد یا شہید فرمایا گیا ہے تو ہم نے وہاں احادیث

اور مفسرین کی تصریحات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہاں حضور اور مشاہدہ والا معنی مراد ہے اب منکرین کے خیال میں آیت (لتکونوا شهداء علی الناس) میں حضور اور مشاہدہ والا معنی نہیں بن سکتا تو وہ سرے سے حضور اور مشاہدے، یعنی حقیقی معنی کا ہی انکار کر دیتے ہیں، جو کہ بڑی کم علمی ہے، لہذا ان کو جاننا چاہیے کہ آیت لتکونوا شهداء علی الناس میں اگر حقیقی معنی تمہارے خیال میں نہیں بن سکتا، تو اس آیت میں توجیہ اور تأویل کرنی چاہیے کہ یہاں شہادت سے مراد یہ ہے کہ امت نے قرآن میں پڑھا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی، نیز اس امت نے صادق و مصدوق ﷺ سے یہی مضمون سنا اور امت کا یہ علم چونکہ مشاہدے سے بڑھ کر ہے، لہذا یہ امت مرحومہ اگلی امتوں پر گواہی دے گی-

اس کی مثال حدیث پاک میں ملاحظہ ہو-ایک صحابی جن کا نام حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حق میں گواہی دی حالانکہ یہ موقع پر حاضر نہ تھے، تو آنحضرت ﷺ نے انکو فرمایا کہ تم جب موقع پر حاضر نہ تھے تو پھر کیوں شہادت دی؟ تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ جب آپ نے فرمایا تو مجھے اس طرح اس بات کا یقین ہو گیا کہ جیسے دیکھی جاتی ہے، اس لئے میں نے گواہی دے دی ہے، آنحضرت ﷺ حضرت خزیمہ پر اتنے خوش ہوئے کہ فرمادیا کہ جس واقعہ کا گواہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو-وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے، اس جگہ بھی شہادت کا حقیقی معنی نہیں ہو سکتا تھا، تو کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور اور مشاہدہ نہیں ہے، لہذا شہادت میں حضور اور مشاہدہ کوئی ضروری نہیں، بلکہ شہادت کا وہی معنی لیا جائے گا جو کہ حقیقی ہے اور جس میں حضور اور مشاہدہ ضروری ہے اور حضرت خزیمہ کے واقعہ میں یہ توجیہ کی جائے گی کہ یہاں شہادت سے مراد علم یقینی ہے، تو یہ امت مرحومہ قیامت میں امم سابقہ پر گواہی دے گی، یہ شہادت اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک جیسی ہے، یعنی دونوں کی مراد علم یقینی ہے اور یہ علم یقینی اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حاصل ہوا-

اشکال سوم۔ بعض ناسمجھ لوگ شہادت کے حقیقی معنی پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ تمام مسلمان کلمہ شہادت پڑھتے ہیں یعنی أشهد أن لا إله إلّا الله وأشهد أن محمداً عبده و رسوله ۔اب اگر شہادت کا معنی حاضر ناظر ہو تو لازم آئے گا کہ ہم اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہے ہیں، تو ہم بھی حاضر ناظر ٹھہرے۔

جواب: بندہ پہلے مفردات امام راغب کی عبارت سے ثابت کر چکا ہے کہ شہادت میں جو حضور اور مشاہدہ ہوتا ہے وہ کبھی بصر، یعنی آنکھ سے اور کبھی بصیرت، یعنی عقل سے ہوتا ہے، نیز فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حاشیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور یا ذاتاً ہوتا ہے یا علماً اور قولہٗ تعالیٰ (شهد الله انه لا اله الا هو) یہاں حضور علمی ہے، تو اب سوال کا جواب واضح ہے کہ مسلمان جو کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، تو اس کی تصدیق اور علم ان کی بصیرت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور بصیرت اُس کا مشاہدہ کرتی ہے، تو اب یہاں بھی حضور پایا گیا، لہذا کوئی اشکال نہیں ہے، ہم سے پہلے علمائے کرام علوم شرعیہ میں ماہر ہوتے تھے۔ لہذا ان کے سوالات بھی معقول ہوتے تھے اور جواب بھی معقولیت سے دیا جاتا تھا، آج کل چونکہ علمائے کرام علوم شرعیہ میں نہایت کمزور ہیں، اس لئے ایسے غیر معقول سوال کرتے ہیں کہ سمجھ دار آدمی کو تعجب ہوتا ہے۔

اشکال چہارم۔ صحیح مسلم میں ہے (عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ أتى المَقبَرَةَ فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاءَ الله بكم لاحقون وددت أنا قد رأينا إخواننا قالوا أوَلَسنَا إخوانك يا رسول الله! قال أنتم أصحابى وإخواننا الذين لم ياتوا بعد، فقالوا كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله! فقال: أرأيت لو ان رجلاً له خيل غرٌّ محجّلة بين ظهرى خيلٍ دُهم بهمٍ ألا يعرف خيلهُ؟ قالوا: بلىٰ يا رسول الله! قال فانهم يأتون غرّاً محجّلين من الوضوء – وأنا فرطهم على الحوض، ألا ليذادن رجال عن حوضى، كما يزاد البعير الضال، أناديهم ألا هلُم فيقال: إنهم قد بدّلوا بعدك فأقول: سحقًا سحقًا)

اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے اور ان کو سلام دیا پھر فرمایا کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے، تو صحابہ نے عرض کی کہ جو لوگ اب تک آپ کی امت میں سے نہیں آئے، ان کو آپ کس طرح پہچانیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ کہ کسی شخص کا گھوڑا غر۔محجّل ہو یعنی اس کے چار پاؤں اور ماتھا سفید ہو اور وہ گھوڑا بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنا گھوڑا پہچان نہیں لے گا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! خوب پہچان لے گا، تو آپ نے فرمایا وہ لوگ بھی قیامت کے دن غر۔محجّل ہوں گے یعنی ان کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی وضو کے سبب نورانی ہو گی اور میں حوض کوثر پر اُن کا انتظام کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوں گے جو میرے حوض سے دور کیے جائیں گے جیسا کہ کسی کا گم شدہ اونٹ حوض سے دور کیا جاتا ہے، تو میں ان کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین تبدیل کر لیا تھا تو میں، کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! دور ہو جاؤ!

جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے کہ ان کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے متعلق مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہے (وليصدنّ عنّى طائفة منكم فلا يصلون، فاقول: يارب هؤلاءِ من أصحابى فيجيبنى ملك فيقول: هل تدرى ما أحد ثوا بعدك) اس حصہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں تم میں سے ایک گروہ قیامت کے دن مجھ سے دور کیا جائے گا، پس وہ گروہ نہیں پہنچ سکے گا، تو میں کہوں گا کہ اے رب یہ تو میرے اصحاب سے ہیں، تو فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں وہ چیز جو انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی؟ جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے ان سے مراد منافقین اور مرتدین ہیں اور جو لوگ آپ کے زمانہ میں مسلمان تھے اور بعد میں مرتد ہو گئے۔

منکرینِ حاضر و ناظر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں، اگر مطلع ہوتے تو ان کو کیوں کہتے

کہ ادھر آؤ، نیز ان کو کیوں کہتے ؟ کہ یہ میرے اصحاب سے ہیں، نیز فرشتہ یہ کیوں کہتا کہ هل تدری ما أحدثوا بعدك کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نہیں جانتے جو انہوں نے بعد میں پیدا کیا ہے، یہ احادیث منکرین، عرضِ اعمال اور آنحضرت ﷺ کے علم کلی کے خلاف بھی استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان احادیث کے سمجھنے میں منکرین اور ان کے محدثین کو بہت سی لغزشیں واقع ہوئی ہیں، لہذا اس سوال کے جوابات میں بندہ ذرا زیادہ تفصیل بیان کرے گا امید ہے کہ منصف لوگ اس کی قدر کریں گے۔

جواب اوّل۔ بندہ کہہ چکا ہے کہ باطل ظاہر ہوتا ہے اور حق پوشیدہ ہوتا ہے ان احادیث میں غور کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کا دنیا میں بھی پورا پورا علم تھا اور قیامت میں بھی ان کا علم ہوگا، کسی صورت میں منکرین احادیث کے ساتھ استدلال نہیں پکڑ سکتے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔

جواب کی تمہید کے لئے ایک حدیث کا پہلے جاننا ضروری ہے۔ مسلم اور بخاری دونوں میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر شے کو قیامت تک بیان فرمادیا، جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلادیا اس کو بھول گیا اور میرے یہ دوست اس کو جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسی شے واقع ہو جاتی ہے کہ میں اسے بھول گیا تھا، پس جس وقت میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتی ہے کہ یہ تو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی۔ جیسا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے غائب ہو جاتا ہے اور آدمی اُس غائب کو بھول جاتا ہے اور جب دوبارہ دیکھتا ہے تو اس کو یاد آجاتا ہے۔ کہ یہ تو وہی شخص ہے جس کو میں نے پہلے دیکھا تھا، اس حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے جو واقعات استقبالیہ سنے تھے اگرچہ درمیان میں ان کو بھول گئے، لیکن جب وہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا تھا تو صحابہ کرام جان جاتے تھے کہ یہ تو وہی واقعہ ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔

اب ذرا مسلم شریف کی حدیث کی طرف آیئے جب آنحضرت ﷺ نے دنیا میں صحابہ کرام کو فرمادیا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے کہ میں انکو اپنی طرف

بلاؤں گا، تو فرشتے کہیں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہوگئے تھے اور پھر میں ان کو کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! تو اسی سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا میں ان کے کفر کا علم تھا، جیسے اس حدیث کو پڑھنے والے کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ مرتدین ہیں اور آپ کی امت نہیں ہیں، تو جب قیامت میں یہ واقعہ پیش آئے گا تو آپ کو اس وقت بھی ان لوگوں کا یقیناً علم ہوگا کہ یہ وہی مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو بتا آیا ہوں، بلکہ قیامت میں جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے تو آپ کو یہ بھی علم ہوگا کہ میں ان کے متعلق یہ کہوں گا کہ (هٰؤلاء من اصحابی) اور فرشتہ مجھے یہ جواب دے گا کہ (هل تدری ما أحدثوا بعدك) منکرین کی یہ کتنی افسوس ناک بات ہے ؟ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیهم أجمعین تو جو واقعہ حضور سے سنیں کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے تو جب وہ واقعہ پیش آئے تو صحابہ کرام کو علم ہو جائے کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کا حضور نے تذکرہ فرمایا تھا اور منکرین کے اعتقاد کے مطابق آنحضرت ﷺ جس واقعہ کا ذکر دنیا میں صحابہ کرام کے سامنے فرماتے ہیں اور دنیا میں اس واقعہ کا آپ کو علم ہے تو جب قیامت کے دن وہ واقعہ پیش آتا ہے تو آپ کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ یہ تو وہی واقعہ ہے کہ جو میں نے دنیا میں بیان کیا تھا، تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق صحابی کا علم سرور دو عالم ﷺ کے علم سے زیادہ پختہ ہوا، کیونکہ صحابی نے جو آپ سے سنا تھا جب وہ واقعہ اس کے سامنے آیا تو اسکو علم ہو گیا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو میں نے سنا تھا، لیکن آنحضرت ﷺ دنیا میں ایک واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ہونے والا ہے، لیکن جب وہ واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق آپ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو دنیا میں بیان کر چکا ہوں۔ کیا اس عقیدہ والا آدمی آپ کے ساتھ محبت میں مخلص ہو سکتا ہے ؟ ہر گز نہیں۔ اب واضح ہو گیا کہ جب آپ قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے تو پہلی نظر میں پہچان جائیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو کر آیا ہوں۔

غور فرمائیں کہ اس پندرھویں صدی کے اہل سنت جو مسلم شریف کی ان احادیث کو پڑھتے ہیں اور ساری عمر پڑھاتے رہتے ہیں اور دنیا میں ان کو علم ہے کہ یہ

کفار اور مرتدین ہیں - یہ اہل سنت جب قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ یہ لوگ حوض کوثر سے روکے جارہے ہیں، تو فوراً معلوم کرلیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں جن کا ذکر ہم مسلم شریف میں دنیا میں پڑھ آئے ہیں اور پڑھا آئے ہیں تو پھر شارع علیہ السلام کو جن کو علم نہایت ہی قوی ہے، کس طرح قیامت میں علم نہیں ہوگا؟ جن کے علم کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے کہ (انّ علینا بیانہ) کے اے محبوب! قرآن کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے، رہا یہ سوال کہ جب آپ ان کو جانتے ہیں تو پھر قیامت میں ان کے متعلق سوال کیوں کریں گے؟ تو اس کا جواب بندہ ان شاء اللہ آگے چل کر مدلل اور بحوالہ کتب معتبرہ عند المنکرین بیان کرے گا۔ انتظار فرمائیں۔

جواب دوم - ان ہی احادیث کے اوّل میں گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ جن بھائیوں کے دیکھنے کی آپ تمنا فرمارہے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں، ان کو آپ کیسے شناخت کریں گے کہ یہ میری امت اور میرے بھائی ہیں؟ تو آپ نے نہایت واضح مثال سے، سمجھایا کہ میں ان کو کس طرح شناخت کروں گا، مثال یہ ہے کہ ایک بندہ کا گھوڑا اغر محجل ہو یعنی اس کے پاؤں اور پیشانی سفید ہو اور وہ بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنے گھوڑے کی شناخت نہیں کرے گا؟ اب جس آدمی کا گھوڑا اغر محجل ہو اور اس آدمی کے سامنے ایک بالکل سیاہ گھوڑا پیش کیا جائے جس کو اس آدمی نے اس سے پہلے بالکل نہیں دیکھا اور اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ تمہارا گھوڑا ہے یا نہیں؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ میرا گھوڑا نہیں ہے، کیونکہ میرے گھوڑے والی علامتیں اس میں موجود نہیں اور اگر یہ شخص یہ کہے کہ میرے گھوڑے کی فلاں فلاں علامتیں ہیں اور وہ علامتیں اس سیاہ گھوڑے میں نہیں پائی جاتیں - لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ میرا گھوڑا ہے یا نہیں - تو ایسے آدمی کو کوئی عقل مند، سمجھ دار نہیں کہے گا - بلکہ مجنون کہے گا، تو جب آپ نے اپنی امت کی علامتیں غُرِ محجل فرمائی ہیں اور یہ علامتیں مؤمنوں میں پائی جائیں گی اور اور کفار مرتدین میں نہیں پائی جائیں گی، تو یقیناً

قیامت میں آپ مؤمنوں کو تو اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں اور کفار کو اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامات نہیں پائیں گے اور دنیا میں بھی دوست اور اجنبی کی شناخت کا یہی طریقہ ہے کہ آدمی دوست کی شکل اور چہرہ مہرہ جانتا ہے، اب اس شخص کے سامنے اگر ایک اجنبی کو پیش کیا جائے جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ تجھے علم ہے کہ یہ تمہارا دوست ہے یا تم کو علم ہے کہ یہ تمہارا دوست نہیں ہے؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ یہ میرا دوست نہیں ہے، کیونکہ میرے دوست کی شکل اور چہرہ مہرہ اس میں نہیں پایا جاتا اگر وہ شخص یہ کہے کہ میرے دوست کی علامات تو اس اجنبی میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ اجنبی میرا دوست ہے یا کہ نہیں ہے تو اس کو سفیہ (بے وقوف) کہا جائے گا۔

منکرین کے عقیدہ کے مطابق اگر قیامت میں آپ امت اور غیر امت میں اور مؤمنوں اور کفار مرتدین میں امتیاز نہ فرما سکیں گے، تو غر محجل والی حدیث کی تکذیب ہوتی ہے، حیف ہے منکرین کے محدثین پر جو یہ کہتے ہیں کہ مؤمنوں کو تو آپ علامات سے پہچانیں گے اور کفار و مرتدین کو باوجود اس کے کہ ان میں وہ علامات نہیں ہیں، پہچان نہیں سکیں گے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ قیامت میں امتیاز کی مدار غرّہ اور تحجیل پر ہے، مسلمانوں میں یہ علامتیں موجود ہوں گی، لہذا وجود علامات کی وجہ سے مومنوں کو پہچانیں گے اور کفار مرتدین میں غرّہ اور تحجیل کی نفی ہوگی لہذا کفار مرتدین کو اس نفی کی وجہ سے پہچانیں گے۔ آنحضرت ﷺ کا تو معاملہ ہی اور ہے جو علمائے اہل سنت غرّہ اور تحجیل والی حدیث کو دنیا میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، وہ بھی قیامت میں ان علامات کے اثبات اور نفی سے اس امت مرحومہ اور غیر امت میں آسانی سے امتیاز کرلیں گے۔

اگر منکرین کے محدثین سے کوئی پوچھے کہ کیا اس غرّہ اور تحجیل کی علامت سے تم مؤمنوں اور کفار مرتدین کو قیامت میں پہچان لوگے یا نہیں؟ تو میرے خیال میں یہ اثبات میں جواب دیں گے، تو گویا یہ لوگ سرور دو عالم ﷺ کے علم کو اپنے علم سے بھی

کمتر جانتے ہیں- نعوذ باللہ من هذه العقيدة القبيحة -

قارئین کرام- چونکہ حدیث مسلم شریف سے منکرین، عوام کو بڑا دھوکہ دیتے ہیں، اس لئے جواب میں طوالت آگئی ہے اور قارئین کو تکرار کا بھی وہم ہوگا لہذا بندہ معذرت خواہ ہے-

جواب سوم- مستدرک حاکم میں بندہ نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے جن کو حوض کوثر سے روکا جارہا ہوگا- تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اُن لوگوں میں ہوں گا یا نہ؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم ان میں نہیں ہوگے، تو اس سے بھی پتہ چلا کہ ان کفار اور مرتدین کا دنیا میں آپ کو پورا پورا علم ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد مرتد ہوئے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ هؤلاء من اصحابی تو آپ کو دنیا میں ان لوگوں کا علم تھا جنہوں نے بعد میں مرتد ہونا تھا-

جواب چہارم- علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی جو مرسل حدیث ذکر فرمائی ہے- جس کا ذکر پہلے آچکا ہے دوبارہ ملاحظہ ہو:

(ليس من يوم الا يعرض على النبى ﷺ امتهُ غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم وأعمالهم فلذلك يشهد عليهم ففى هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذى تضمّنه حديث ابن فضالة)

اس حدیث شریف میں یہ امر صراحۃً مذکور ہے کہ خواہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا قیامت تک آنے والی امت آپ صرف ان کے اعمال پر ہی مطلع نہیں بلکہ عمل کرنے والوں کو بھی ان کی شکل اور چہرہ مہرہ سے پہچانتے ہیں اور یہی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا مختار ہے- لہذا ابن حجر رحمہ اللہ نے اخیر میں فرمایا کہ ابن فضالہ کی حدیث سے جو اشکال پیدا ہوتا تھا کہ آپ صرف ان لوگوں کو جانتے ہیں، جو آپ کے زمانہ میں تھے، وہ اشکال اس مرسل حدیث سے رفع ہوگیا، کیونکہ اس حدیث میں زمانہ کی تخصیص نہیں ہے، اس لئے کہ ہر روز صبح و شام امت اور اس کے عاملین آپ کے

سامنے پیش کیے جاتے ہیں نیز تفسیر عزیزی سے بھی یہی مضمون گذر چکا ہے کہ آپ قیامت تک آنے والے مؤمن اور کافر سب کو مع ان کے اعمال کے پہچانتے ہیں، تو اب منکرین کا وہ اشکال رفع ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ قیامت میں حوض کوثر سے روکے جائیں گے، آپ ان کے اعمال کو نہیں جانتے لہذا اُس حدیث مسلم کی تاویل اور توجیہ کی جائے گی جو کہ بندہ آئندہ سطور میں ذکر کرے گا-

مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب نے شرح فتح الملہم میں حدیث مسلم کا یہ جواب دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعمال تو آنحضرت ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ان اعمال کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو پہچانتے ہیں لیکن چونکہ کفار کے اعمال پیش نہیں کیے جاتے اس لئے ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، حدیث مسلم میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ حوض کوثر سے روکے جائیں گے، وہ چونکہ مرتدین و کافر ہیں اس لئے آپ ان کو نہیں پہچانیں گے-

یہ جواب دو وجہ سے مردود ہے -

وجہ اوّل: حدیث ابن المسیب میں مؤمنوں کافروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ تمام امتِ دعوت کے اعمال مع عاملین کے آنحضرت ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، اور تفسیر عزیزی میں تو کفار اور منافقین کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ ان سب کو تا قیامت مع اعمال کے پہچانتے ہیں- تفسیر عزیزی کا وہ حصہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

(پس می شناسد گناہاں شمارا ولہذا شہادت او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است وآنچہ از فضائل و مناقب حاضرانِ زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس وصلہ و مہدی و مقتولِ دجال یا از معائب و مثالب حاضران و غائبان می فرماید اعتقاد بر ان واجب است وازین است کہ در روایات آمد کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنین میکند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت توانند کرد)

غور فرمائیں کہ اس عبارت میں تصریح ہے کہ آپ ہر ایک کے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں- اخلاص مؤمنوں میں ہے اور نفاق کفار میں، نیز اس عبارت میں

تصریح ہے کہ آپ حاضرانِ زمانہ مقدس اور ان کے اعمال واحوال کو ہی نہیں جانتے بلکہ جو لوگ آپ کے زمانہ سے غائب ہیں ان کے احوال واعمال نیک وبد کو بھی پہچانتے ہیں، نیز شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی کہ اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ روایات میں آچکا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کو مع ان کے اعمال واحوال کے پہچانتا ہے، تو صاحب فتح الملہم کا یہ کہنا کہ صرف مؤمنوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں ہوتے باطل ٹھہرا۔

وجہ دوم۔اگر تسلیم ہی کرلیا جائے کہ آپ پر صرف مؤمنوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں کیے جاتے، تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ قیامت میں مؤمنوں اور کافروں دونوں کو پہچانیں گے۔مؤمنوں کو تو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مؤمن آپ کے سامنے مع اعمال کے پیش کیے جاتے رہے اور کافروں منافقوں کو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مع اعمال کے آپ کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے۔جیسا کہ مشہور مقولہ ہے (الأشياء تعرف بأضدادها)۔

یہ بات اگرچہ واضح ہے لیکن پھر بھی بندہ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی صبح وشام بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوکر بادشاہ کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ اور ایک دوسرا آدمی ہے جو نہ کبھی بادشاہ کے دربار میں گیا اور نہ کبھی خدمت سرانجام دی تو اگر یہ دوسرا آدمی بادشاہ کے سامنے پہلی دفعہ پیش کیا جائے اور بادشاہ سے پوچھا جائے کہ جناب والا کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جو کہ آپ کے دربار میں آتا جاتا اور خدمت ادا کرتا ہے یا آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذکورہ بالا آدمی نہیں ہے تو بادشاہ فوراً یہ جواب دے گا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ وہ خادم شخص نہیں ہے یہ تقریر بعینہٖ اُسی طرح کی ہے جو کہ غرہ تحجیل کی وجہ سے پہچانیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قیامت میں آنحضرت ﷺ مومنوں اور کافروں سب کو عرضِ اعمال اور غرہ تحجیل کی وجہ سے پہچانیں گے، مومنوں کو تو اس وجہ سے کہ غرہ تحجیل اور عرضِ اعمال ان میں پایا گیا اور کفار کو اس طرح پہچانیں گے کہ یہ اوصاف ان میں نہیں پائے گئے۔اور علامات سے پہچاننے کا یہ ایک معروف طریقہ ہے۔

صاحب فتح الملہم نے حدیث مسلم کا ایک اور جواب بھی دیا ہے، وہ یہ کہ آپ کے سامنے صرف مومنوں اور کافروں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ ان اعمال کو جانتے ہیں لیکن خود مومن کافر نہیں پیش کیے جاتے، اس لیے آپ ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، یہ جواب بھی مردود ہے کیونکہ اس میں حدیث غرہ تحجیل کی صراحۃً تکذیب ہے اور حدیث سعید بن مسیب کے بھی صریحاً خلاف ہے کیونکہ ان دونوں میں مذکور ہے آپ جمیع امت کے اعمال مع عاملین کے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

تنبیہ = حدیث مسلم شریف جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حوض کوثر سے روکا جائے گا اور آنحضرت ﷺ اُن کے متعلق فرمائیں گے کہ (هؤلاء من أصحابي) اس سے منکرین نے استدلال کیا ہے کہ نہ تمام لوگوں کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور نہ آپ سب آدمیوں کو قیامت تک جانتے ہیں، ورنہ مذکورہ بالا آدمیوں کے متعلق یہ نہ فرماتے کہ (هؤلاءِ من أصحابي) اس دلیل کے یہاں تک چار صحیح جواب گزر چکے ہیں اور دو غلط جواب جن کو صاحب فتح الملہم نے ذکر کیا ہے انکو رد کیا جاچکا ہے اب حدیث مسلم شریف سے استدلال کا جواب پنجم ملاحظہ ہو۔

جواب پنجم۔منکرین جو حدیث مسلم سے اس امر پر استدلال لاتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو قیامت کے دن حوض کوثر سے روکا جائے گا، آنحضرت ﷺ اُن کو نہیں جانتے تھے اب بندہ ان سے پوچھتا ہے کہ اس حدیث شریف میں وہ کون سے الفاظ ہیں؟ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔اس جگہ دو ہی احتمال ہیں۔

اوّل۔یہ کہ آنحضرت ﷺ ایک روایت میں ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ (یارب هؤلاءِ من أصحابي) اور دوسری روایت میں ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ (أناديهم ألا هَلُمَّ) پہلی عبارت کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ یہ میرے اصحاب سے ہیں اور دوسری عبارت کا یہ معنی ہے کہ میں اُن کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ۔اگر اُن پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع ہوتے کہ وہ کافر مرتد ہیں تو کبھی آپ ان کی سفارش نہ فرماتے اور ان کو اپنی طرف نہ بلاتے، جب سفارش کی اور اپنی طرف بلایا تو معلوم ہوا کہ اُن پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں۔

احتمال دوم - جب آپ ان لوگوں کی سفارش کریں گے اور ان کو بلائیں گے تو ایک روایت میں یہ جواب دیا جائے گا - (هل تدری ما أحدثوا بعدك) اور دوسری روایت میں یہ جواب دیا جائے گا کہ (قد بدّلوا بعدك) پہلے جواب کا یہ معنی ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا چیز پیدا کی اور دوسرے جواب کا یہ معنی ہے کہ تحقیق آپ کے بعد انہوں نے دین کو تبدیل کر دیا-

ان دونوں جوابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہیں تھا، حالانکہ یہ دونوں احتمال مردود ہیں اور ان دونوں احتمالوں سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا کہ آپ ان کو نہیں جانتے تھے-

پہلے بندہ احتمال ثانی پر بحث کرتا ہے ایک جواب میں یہ ہے (قد بدّلوا بعدك)- یہاں آنحضرت ﷺ کے علم کا ذکر ہی نہیں، بلکہ اس میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین تبدیل کر لیا- یہ جملہ خبریہ ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ متکلم مخاطب کو صرف حکم کا ہی فائدہ نہیں دیتا، بلکہ جملہ خبریہ کئی اور مقاصد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے، مثلاً غم اور حزن کے لئے بھی جملہ خبریہ استعمال ہوتا ہے جیسے مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا (اِنّی وَضَعتُهَا اُنثٰی) جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے لڑکی جنی ہے، یہاں علمائے بلاغت تصریح فرما رہے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کو خبر دینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پہلے سے علم ہے کہ کلام کرنے والی بھی جانتی ہے کہ اس نے لڑکی جنی ہے، لہذا اس کلام کا مقصد صرف غم اور حزن کا ظاہر کرنا ہے اور کبھی جملہ خبریہ سے متکلم کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ جیسے مخاطب اس خبر کو جانتا ہے متکلم کو بھی اس خبر کا علم ہے- جس کی مثال علمائے بلاغت نے یہ دی ہے (قد حفظتَ التوراة) یعنی تو نے تورات یاد کر لی ہے، تو مخاطب اس کلام سے پہلے اس کا عالم تھا کہ اس نے تورات یاد کی ہے- متکلم کی غرض اس کلام سے صرف یہ ہے کہ میں بھی اس امر کو جانتا ہوں-

منکرین کا استدلال اس عبارت سے اس وقت درست ہوگا کہ مذکورہ بالا

جملہ سے حکم کا افادہ مقصود ہو، یعنی پہلے آپ اس حکم کو نہیں جانتے تھے اور اب اس کلام سے حکم کا علم آیا، حالانکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس عبارت میں اظہار غم اور حزن کیا گیا ہو، کہ یہ بڑی افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے اصحاب میں سے ہوتے ہوئے اپنا دین تبدیل کر لیا، اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کلام کے متکلم کی یہ غرض ہو کہ میں بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے دین کو تبدیل کر لیا، جیسے کہ آپ جانتے ہیں، تو اب منکرین کا استدلال درست نہ ہوا کیونکہ یہ ایک مشہور قانون ہے کہ (إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) نیز بندہ نے جو دو آخری احتمال ذکر کیے ہیں ان پر عرض اعمال والی حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور یہی عرض اعمال والی حدیث احتمال اوّل کے خلاف ہے جس پر منکرین کے استدلال کا مدار ہے- احتمال اوّل سے بندہ کی مراد حکم کا افادہ ہے-

اور دوسرے جواب میں یہ ہے (هل تدری ما أحدثوا بعدك) اس عبارت میں بے شک آپ کے علم و درایت کا ذکر ہے، لیکن اس سے علم و درایت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ عبارت اسی طرح ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے (هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئًا مذکورا) تو جیسا قرآن پاک کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ یقیناً انسان پر ایسا وقت آیا ہے کہ وہ کوئی شے نہیں تھا- اسی طرح هل تدری کا بھی یہی مطلب ہے کہ یقیناً آپ جانتے ہیں جو چیز انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی، تو دونوں جگہ هل بمعنی قد ہے- اور بندہ کی اس تاویل پر عرضِ اعمال والی حدیث دلالت کرتی ہے- بعض روایات میں یہ لفظ ہیں لا تدری ما احدثوا بعدك یہاں علم اور درایت کی نفی ہے تو تمام روایات جمع کرنے کے لیے یہ کہا جائے گا کہ لاتدری میں حرفِ استفہام محذوف ہے- اور یہ تاویل ہم کو اس لیے کرنی پڑی کہ عرضِ اعمال والی حدیث اس کے خلاف ہے-

یہاں تک بندہ نے احتمال ثانی کو رد کیا ہے کہ دونوں جوابوں سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوئی-

اب بندہ پہلے احتمال پر بحث کرتا ہے یعنی ایک روایت میں آپ نے عرض کیا

(یا رب هؤلاء من اصحابی) اور دوسری روایت میں یہ فرمایا کہ (ألا هَلُمّ) تو ان دونوں عبارتوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو ان لوگوں کا علم نہیں تھا، اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو علم تھا تو پھر یہ سفارش کیوں فرمائی؟ تو اس کے علماء نے کئی جواب دیے ہیں۔

جوابِ اوّل: آپ نے جو فرمایا۔(هؤلاء من أصحابی) تو یہ ان لوگوں کو مزید غم میں ڈالنے کے لئے فرمایا گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ان کو اپنی طرف مضاف کریں گے اور فرمائیں گے کہ (هؤلاء من أصحابی) تو ان لوگوں کے دل میں نجات کی قوی امید پیدا ہو جائے گی، کہ شفیع المذنبین ﷺ نے ہماری سفارش کی ہے اور ہم کو اپنی طرف مضاف کیا ہے تو جب فرشتہ جواب دے گا۔ اور آپ سحقاً سحقاً فرمائیں گے یعنی دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔ تو اب ان کو جو نجات کی قوی امید تھی وہ ٹوٹ جائیگی اور ان کو شدید صدمہ پہنچے گا، کیونکہ جس چیز کی قوی امید ہو اور وہ امید منقطع ہو جائے تو شدید صدمہ ہوتا ہے، شارحین حدیث نے اس کو اِقناطِ کلی سے تعبیر کیا ہے یعنی پورا ناامید کرنا، یہ جواب بھی اس پر دال ہے کہ وہ لوگ کفار اور مرتدین تھے اور مؤمن نہیں تھے کیونکہ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کلی طور پر ناامید نہیں کیا جاسکتا۔

جواب دوم: جب آپ ان لوگوں کو اپنے اصحاب میں شمار کریں گے اور اس کے بعد فرمائیں گے دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ، تو ان کو سخت حسرت پیدا ہوگی کہ ہم آپ کے اصحاب تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم بہشت میں بلند درجے حاصل کرتے، لیکن شیطان نے ہم کو گمراہ کیا اور ہم قہر و ذلت میں چلے گئے، یہ دونوں جواب فتح الملہم سے پتہ چلتے ہیں، چونکہ یہ دونوں جواب اہل سنت کے عقیدہ سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں اس لیے بندہ نے یہاں ان کو ذکر کر دیا ہے اور صاحب فتح الملہم نے جو تیسرا جواب دیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ چونکہ اہل سنت کے عقیدہ سے متصادم تھا اس لیے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔

جواب سوم: باوجود علم کے کہ یہ کافر و مرتد ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں اس لئے غایت رحمت کی وجہ سے ان کی سفارش فرمائیں گے، یہ جواب الکوکب الدّری حاشیہ ترمذی میں محدث سہارنپوری نے دیا ہے، جو کہ

دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ فتح الملہم اور الکوکب الدّری کے جواب سے بندہ کا مقصد منکرین کو الزام دینا ہے کہ جس چیز کا ان کے محدثین اقرار کرتے ہیں وہ اس کے منکر کیوں ہیں؟

جواب چہارم: یہ جواب صاحب روح المعانی کا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔:

(انه علیه الصلوٰة والسلام یعلم الأعیان أیضا إلا أنه نسی فقال أصحابی ولتعظیم قبح ما أحدثوا قیل لهٗ إنك لا تدری ما أحدثوا بعدك)

یعنی آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے اعمال اور ذوات دونوں کو جانتے ہیں اور عرض اعمال کی وجہ سے آپ کو ان کا علم ہے، لیکن قیامت میں اس علم کی طرف سے ذرا توجہ ہٹ جائے گی، تو فرمائیں گے اصحابی اور اسی طرح آپ کو اس چیز کا علم بھی تھا جو ان کفار اور مرتدین نے آپ کے بعد پیدا کی۔ لیکن چونکہ یہ بدعت بہت بڑی قبیح تھی، اس لئے علم کے باوجود فرمایا گیا کہ إنك لا تدری مقصد نفی علم نہیں ہے بلکہ بدعت کے عظیم قبح کا اظہار ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وعلیٰ آله وأصحابه أجمعین۔